شعروادب

ہر دَم رواں ہو دل سے درودوں کا سلسلہ

● ....مولانا محمد ولی رازیؒ

ہر دم درودِ سرورِ عالم کہا کروں ہر لمحہ محو روئے مکرم رہا کروں
اسم رسولؐ ہوگا، مداوائے دردِ دل صلّ علیٰ سے دل کے دکھوں کی دوا کروں
ہر سطر اس کی اُسوۂ ہادیؐ کی ہو گواہ اس طرح حال احمد مرسلؐ کہا کروں
معمور اس کو کر کے معرّا سطور سے ہر کلمہ اس کا دل کے لہو سے لکھا کروں
گو مرحلہ گراں ہے مگر ہو رہے گا طے ہر کلمہ رسولؐ سے ہی دردِ دل کو وا کروں
ہر دم رواں ہو دل سے درودوں کا سلسلہ طے اس طرح سے راہ کا ہر مرحلا کروں
دے دوں اگر رسول مکرم کا واسطہ دل کی ہر اک مراد ملے ، گر دعا کروں
اس کے علاوہ سارے سہاروں سے ٹوٹ کر اللہ کے کرم کے سہارے رہا کروں
ہو کر رہے گا سہل ، ہراک مرحلہ کڑا اللہ کے کرم کا اگر آسرا کروں

اردو کو اِک رسالۂ الہام دوں ولؔی
لوگوں کو دورِ ہادیٔ عالم عطا کروں

☆☆☆☆☆

اداریہ

مسلمان کو مسلمان بنانے کی ضرورت

● ....شمس الحق ندوی

ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابھی ایک شخص آئے گا وہ جنتی ہے''، کچھ دیر بعد ایک صحابیؓ آئے، وضو کیا، نماز پڑھی اور چلے گئے، دوسرے دن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ: ''ابھی ایک شخص آئے گا وہ جنتی ہے''، وہی صحابیؓ دوسرے دن بھی آئے، نماز پڑھی اور چلے گئے، تیسرے دن پھر یہی بات پیش آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص ابھی آئے گا، وہ جنتی ہے''، وہی صحابیؓ پھر آئے، نماز پڑھ کر جانے لگے تو حضرت عبداللہ عمر بن العاصؓ مسجد سے نکلے اور ان کے ساتھ ہو لیے کہ تین دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی اور ان کے سوا کوئی آیا نہیں)، دیکھنا چاہا کہ یہ کیا عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو جنتی ہونے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے، ان سے کہا کہ والد صاحب سے ہماری کچھ بات ہو گئی ہے، تین دن ہم آپ کے یہاں رہنا چاہتے ہیں، انھوں نے بخوشی مہمان بنالیا، عبداللہ عمر بن العاص دیکھتے رہے کہ یہ کتنی عبادت وریاضت کرتے ہیں، ان کے معمولات کیا ہیں جن کی وجہ سے ان کو جنت کی بشارت مل رہی ہے، انھوں نے دیکھا کہ فرائض وواجبات اور اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی کے سوا زیادہ عبادت وریاضت کا کوئی معمول نہیں، تین دن گذر گئے تو ان سے کہا کہ والد سے ہماری کچھ بات نہیں ہوئی تھی آپ کے بارے میں تین دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی، اس لیے ہم نے دیکھنا چاہا کہ آپ کے کیا معمولات ہیں جن کی وجہ سے جنت کی بشارت مل رہی ہے؟ ہم نے آپ کے کچھ زیادہ معمولات تو نہیں دیکھے، آپ کیا عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ بشارت آپ کو مل رہی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: آپ نے جو کچھ دیکھا یہی ہے کوئی اور عمل نہیں، جب عبداللہ عمر بن العاص ان کے پاس سے نکلے تو انھوں نے واپس بلایا اور فرمایا: ''ہمارے معمولات وہی ہیں جو آپ نے دیکھا، ہم اپنے کام سے کام رکھتے ہیں، کسی مسلمان کے لیے دل میں بغض وکینہ نہیں رکھتے اور نہ کسی کی خوشحالی پر حسد کرتے ہیں''، حضرت عبداللہ عمر بن العاص نے فرمایا: ''بس یہی کام مشکل ہے''۔

ترمذی شریف کی روایت ہے، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیٹے! اگر تم یہ کرسکو کہ تمہارے رات دن اس طرح گذریں کہ تمہارے دل میں کسی کے لیے کھوٹ نہ ہو تو ایسا کرو، بیٹے! یہ ہمارا طریقہ (شعار) ہے جس نے ہمارے طریقہ کو زندہ کیا اس نے ہم سے محبت کی اور جو ہم سے محبت کرے گا، اس کو جنت میں ہمارا ساتھ نصیب ہوگا''۔

بظاہر تو لفظ (غش) کھوٹ وکینہ ایک لفظ ہے لیکن غور سے کام لیا جائے تو اس میں سارے ہی حقوق العباد ہر طرح کے آجاتے ہیں، قرابت ورشتوں سے لے کر لین دین سبھی کچھ اس میں آجاتا ہے، اسی کی کمی سے اس وقت ہمارا پورا معاشرہ فساد وبگاڑ کا شکار ہے۔

عبادت وریاضت کرنا، نوافل وتہجد کا اہتمام کرنا، ذکر وتلاوت میں مشغول رہنا آسان ہے، لیکن احکام شریعت کی پابندی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، یہ ہے اصل مطلوب ومقصود جس میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی کا راز پوشیدہ ہے اور سماج ومعاشرہ کے چین وسکون کا سارا انحصار اسی پر ہے۔

اسی لیے بعض اہل اللہ اور علماء ربانیین یہ فرماتے ہیں کہ کثرت اذکار واوراد اور اہتمام نوافل سے بعض وقت اپنی بزرگی کا غرور پیدا ہو جاتا ہے، لیکن ادائیگی فرائض اور اتباع سنت میں یہ بات نہیں پیدا ہوتی، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک دن ایک صحابی نماز فجر کی جماعت میں نہیں حاضر ہوئے، ان کے گھر گئے، اہلیہ سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ رات بھر نوافل وتہجد میں مشغول رہے، صبح آنکھ لگ گئی اس لیے مسجد نہیں جاسکے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: رات میں

اتنا نہ جاگو کہ جماعت چھوٹ جائے، جماعت میں حاضری ضروری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے حضرات اوراد واذکار کے بڑے پابند لیکن فرائض کی ادائیگی اور حرام وحلال کا کوئی فرق ولحاظ نہیں، اہل وعیال اور اعزہ واقربا کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہ ہیں، صلہ رحمی جیسا اہم فریضہ پورا کرنے کا ذرا دھیان نہیں، عزیزوں سے قطع تعلق، پڑوسیوں سے لڑائی، مزاج میں غصہ وتیزی، حلم و برداشت کی کمی، ایک دوسرے کی طرف سے بدگمانی، یہ وہ حقوق واحکام ہیں، جن کا ترک سراسر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے، رزق میں حرام و حلال کا یہ حال ہے کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی آمدنی کافی نہیں کا بہانہ لے کر سودی قرض لیے جاتے ہیں، دھوکہ وفریب کیا جاتا ہے، حالانکہ حلال وقلیل آمدنی پر قناعت کرنے سے مال کی پیاس بجھتی ہے اور طمع وحرص کی ذلت سے حفاظت رہتی ہے اور قناعت نہ کرنے سے مال کی پیاس بڑھتی ہی جاتی ہے اور حیلہ وتاویل کے دروازے کھلتے جاتے ہیں، جبہ ودستار لوگوں کو فریب دینے کا جال بن جاتا ہے، ہمارے کاروبار، اخلاق وکردار، باہمی معاملات، اعزہ واقرباء کے حقوق کی ادائیگی کا جو عام حال ہے، وہ منکرین خدا وآخرت سے بھی زیادہ خراب اور بگڑا ہوا ہے، علامہ اقبالؒ کی زبان میں ع

امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

اس وقت عالمی پیمانے پر مسلمانوں کی تباہی وبربادی کے جو حالات پیش آرہے ہیں، ان کا سبب خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کو توڑنے اور نقد فائدہ کی دُھن میں آخرت سے غفلت کا ہے، جس نے ان کو مغربی قوموں کے دَر کا بھکاری بنا کر رکھ دیا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ اس سب کے باوجود حالات کو درست کرنے کی ذرا فکر نہیں، بلکہ ہر دن بجائے دینی صلاح کے فساد فی الدین والے ہی کام کیے جائیں تو پھر دوسرے کا کیا شکوہ اور کیا منہ ہے کسی دوسرے سے صلاح کی امید کا، اللہ تعالیٰ کی رحمت امت کی اصلاح کی طرف صرف اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل متوجہ ہوجائے تو خیر ہے، ورنہ بربادی و ہلاکت تو ہم خود ہی خرید رہے ہیں ؎

افسوس ہے گلشن کو خزاں لوٹ رہی ہے
شاخ گل تر سوکھ کر اب ٹوٹ رہی ہے

عرب ملکوں میں اسلام دشمنی، اسلامیات کا مذاق، منکرات اور فواحش کا پھیلنا، دین اور دینیات کے مٹانے کی ہر طرح کی کوشش کب سے جاری ہے، اس کے بعد جو کچھ ہورہا ہے، کیا اس کے بارے میں اس کے سوا کچھ اور کہا جاسکتا ہے: "وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْعَنْ کَثِیْرٍ" (اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے، سو تمہارے اپنے فعلوں سے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف کردیتا ہے)۔

ہم اعدائے اسلام کی سالہا سال سے چلی آرہی سازشوں کا رونا روتے ہیں لیکن اپنے اندرونی بگاڑ پر نہیں غور کرتے کہ ہمارا کیا حال ہورہا ہے؟ ہماری بڑی تعداد دوسروں کی نقالی میں ان سارے حدود کو پار کرکے قومی مسلمان بن کر رہ گئی ہے جن کی وجہ سے وہ اس حد تک گرگئی ہے جس اصلاح کی یہ خود ذمہ دار تھی، اس میں خود گلے گلے ڈوب گئی ہے، محبت سے خالی، انسانیت سے دور، بے حیائی، فحش کاری کی تمام حدود کو پار کرجانے والی قوموں کی ظاہری چمک دمک کے دھوکے میں آکر ان کی نقالی کا ایسا شوق غالب آگیا ہے کہ ہم اپنی ساری قدریں بھول چکے ہیں، یہی نہیں بلکہ بہت سے تعلیم یافتہ اور مغرب زدہ مسلمان دین کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیتے ہیں۔

اس وقت کا ایک اہم کام یہ ہے کہ قومی مسلمان کو مسلمان بنادیا جائے اور "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا آمِنُوْا" (اے مسلمانو! مسلمان بنو) کی آواز کو پورے زور وشور سے بلند کیا جائے اور یہ کام انجمن سازیوں، چندہ بازیوں اور کانفرنسوں سے نہیں انجام پائے گا، اس کے لیے ضرورت ہے اخلاص کی، احساس ذمہ داری اور اس تڑپ وبے کلی کی جو محبت الٰہی، خشیت الٰہی، اخلاص للہ، تعلق مع اللہ، رأفت بالمسلمین اور شفقت علی الخلق کی کہ احساس ذمہ داری، ادائیگی فرض، رضائے مولیٰ کے سوا کچھ اور مطلوب ومقصود نہ ہو۔

☆☆☆☆☆

خیال افروز

علوم وفنون میں مسلمانوں کی برتری

اور مغربی افکار پر اُن کے اثرات

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

جن اہم اور بنیادی میدانوں میں اسلامی تہذیب وتمدن کے انمٹ اثرات پڑے، ان میں پہلا میدان عقیدہ اور دین کا میدان ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ساتویں صدی عیسوی سے لے کر موجودہ دور میں بیداری کی لہر دوڑنے تک یورپ میں مذہبی اصلاح کے نام پر جو تحریکات اٹھیں، ان میں اسلامی تہذیب کا بڑا گہرا اثر رہا ہے کیونکہ اسلام ہی نے پوری قوت کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ اللہ ایک ہے، تنہا وہی قادر مطلق ہے، اسی کو اختیار اور اسی کا اقتدار ہے، وہ جسم سے اور ہر قسم کے نقص اور کمی اور ظلم وزیادتی سے پوری طرح پاک اور منزہ ہے، اسی طرح اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ انسان خدا کی عبادت کریں، اس کے ساتھ تعلق وابستہ کرنے میں علماء ومشائخ، پوپ پادریوں اور پروہتوں کو ذریعہ بنانے کی ضرورت نہیں، وہ براہ راست اپنے پروردگار کو پکاریں اور براہ راست اسی سے مانگیں، اس کو ہر شخص کے لیے حاضر وناظر سمجھیں، وہ سب کی براہ راست سنتا اور دیتا ہے، یہ وہ چیز ہے جو دوسری قوموں کے ذہن کے دریچوں کو کھول کر اور ان کا شعور بیدار کر کے ان طاقت ور اور پرکشش اصولوں کو اپنانے کا بہت بڑا سبب بنی، کیونکہ اس وقت دوسری قومیں سخت مذہبی جھگڑے کی ہتھکڑیوں میں جکڑی ہوئی تھیں، ان کو کسی قسم کی آزادی حاصل نہیں تھی، ان کے افکار وخیالات، اموال وابدان غرض ساری چیزوں پر مذہبی پیشواؤں کا اقتدار تھا، وہ ان کیساتھ جو چاہتے سلوک کر سکتے تھے، توان حالات میں جبکہ مشرق ومغرب میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ چل پڑا تھا اور بہت سے ممالک میں اس کے زیرنگیں آچکے تھے، یہ طبعی بات تھی کہ پڑوس کے اقوام سب سے پہلے عقیدہ سے متعلق اسلامی بنیادوں اور اصولوں سے متاثر ہوں اور ایسا ہی ہوا، چنانچہ ساتویں صدی عیسوی میں مغربی ممالک میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو تصویر کی عبادت پر نکیر کرنے لگے اور ان کے بعد ایسے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے جو اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ کا انکار کرنے لگے اور جو کتب مقدسہ کو سمجھنے میں دینی رہنماؤں کے اثر اور نگرانی سے آزاد ہو کر خود سے سمجھنے کی دعوت دینے لگے، متعدد محققین ذکر کرتے ہیں کہ مارٹن لوتھر اپنی مذہبی اصلاحی تحریک چلانے میں فلاسفۂ عرب اور مسلم علماء سے متاثر تھا کیونکہ اس نے دین، عقیدہ اور وحی کے سلسلہ میں ان کے خیالات پڑھ لیے تھے، اس کے زمانہ میں یورپ کی درسگاہیں مسلم فلاسفہ ہی کی ان کتابوں پر تکیہ کرتی تھیں، جو بہت پہلے لاطینی زبانیں منتقل ہوگئی تھیں، دین وسلطنت کے درمیان جدائی کی تحریک جس انقلاب کا فرانس میں ڈھنڈورا پیٹا گیا وہ ان سخت، پرتشدد وفکری تحریکوں ہی کا نتیجہ تھی جو تین بلکہ اس سے زیادہ صدیوں تک یورپ پر چھائی رہیں، ہماری تہذیب کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے صلیبی جنگوں کے راستہ سے اور اندلس کے راستہ سے یورپ کے دماغ کی چنگاری کو بھڑکایا اور اس کا شعور بیدار کیا۔

دوسرا میدان جس میں اسلامی تہذیب کا اثر واضح طور پر ظاہر ہوا وہ علم اور فلسفہ کا میدان ہے، طب، ریاضیات، کیمیا، جغرافیہ اور فلکیات پر اس نے جو اثر ڈالا وہ ناقابل فراموش ہے، ہمارے علماء اور فلاسفہ ہی کی آواز پر یورپ خواب غفلت سے بیدار ہوا، وہ اشبیلیہ، قرطبہ اور غرناطہ وغیرہ کی مسجدوں میں ان علوم کا درس دیتے تھے، یورپ کی ابتدائی طلباء جو ہمارے مدارس کا رُخ کرتے تھے، بڑے شغف اور دلچسپی کے ساتھ ایسی آزاد فضا میں یہ علوم حاصل کرتے تھے جس کی اپنے ملک میں وہ کوئی نظیر نہیں دیکھتے تھے۔

اس وقت جب ہمارے علماء اپنے علمی حلقوں اور اپنی کتابوں میں زمین کی کروی شکل اور اس کی گردش اور دوسرے اجرام سماویہ کی حرکت کے متعلق بیان کرتے تھے، اہل یورپ کے دماغ ان حقائق کے بارے میں اوہام وخرافات سے بھرے ہوئے تھے، یہیں سے اہل مغرب میں ان کتابوں کے عربی سے لاطینی زبان میں ترجمہ کرنے کا رجحان پیدا ہوا اور ہمارے علماء کی کتاب مغرب کی درسگاہوں میں پڑھائی جانے لگیں، بارہوں صدی میں ابن سینا کی طب کی مشہور کتاب ''القانون'' کا ترجمہ کیا گیا، اسی طرح تیرہویں صدی کے اواخر میں رازی کی ''الحادی'' بھی ترجمہ ہو کر لاطینی زبان میں منتقل ہوئی، یہ کتاب القانون کے مقابلہ میں بہت وسیع اور ضخیم ہے، یہ دونوں کتابیں سولہویں صدی تک یورپ کی درسگاہوں میں طب کی تدریس کی بنیاد بنی رہیں، جہاں تک فلسفہ کی

کتابوں کا تعلق ہے تو وہ اس سے زیادہ وہاں رائج ہوئیں بلکہ اہل مغرب فلسفۂ یونان سے واقف ہمارے ہی کتابوں اور ان کے ترجموں کے ذریعہ سے ہوئے، یہیں سے انصاف پسند مغربی دانشور اعتراف کرتے ہیں کہ ہم قرون وسطی میں کم از کم چھ سوسال تک یورپ کے استاذ بنے رہے۔

مشہور مغربی فاضل غورستاف لوبون نے لکھا ہے، عربوں کی کتابوں کے ترجمہ بالخصوص علمی کتابیں پانچ چھ صدیوں تک یورپ کی دانش گاہوں میں تدریس کا تنہا مصدر بنی رہیں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم طب وغیرہ میں عربوں کا اثر آج تک ہمارے اس زمانہ میں بھی باقی ہے، چنانچہ گذشتہ صدی کے اواخر میں مونبلیہ میں ابن سینا کی کتابوں کی شروحات لکھی گئیں، یہی عالم آگے لکھتا ہے کہ راجر بیکن، لیونارد البیزری، ارنو العصیلوفی، ریمون لول، سانغوم، البرٹ کبیر، اذفونش، عاشر قشتانی نے صرف عربوں کی کتابوں کا سہارا لیا۔

میسور نیان کا کہنا ہے کہ البرٹ کی برا ابن سینا کا مرہون منت ہے اور سان ٹوما اپنے فلسفہ میں ابن رشد کا ممنون ہے۔

جرمن مستشرق پروفیسر سیدیو لکھتا ہے: قرون وسطی میں تنہا عرب تہذیب وتمدن کے علمبردار تھے، انھوں نے یورپ کی بربریت کو مٹایا، جس کو شمالی قبائل کے حملوں نے متزلزل اور کمزور کر دیا تھا اور عربوں نے فلسفۂ یونان کے زندۂ جاوید چشموں کی طرف رخ کیا تو انھوں نے وہاں سے جو علمی خزانے حاصل کیے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کو اور وسعت دی اور نیچر کے طالعہ کے نئے دروازے کھولے۔

مزید لکھتا ہے کہ عربوں نے جب علم ہیئت کو اپنایا تو ریاضی کی ساری شاخوں پر خاص توجہ دی، اس میں انہیں کو سبقت حاصل ہے، فی الواقع اس میدان میں وہ ہمارے استاذ تھے۔

اور آگے لکھتا ہے: عربوں سے اہل یورپ نے ابتداء جو علوم حاصل کیے اس سلسلہ میں جب ہم غور وخوض کرتے ہیں اور تحقیق سے کام لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جربرت نے (جو سلفر دوم کے نام سے بابا کے مقام پر فائز ہوا) اندلس میں جو علم ریاضی کی تعلیم حاصل کی تھی، ۹۷۰ء اور ۹۸۰ء کے مابین اس کو یورپ لے آیا اور ادھیلا رڈ نے ۱۱۰۰ء اور ۱۱۲۸ء کی درمیانی مدت میں اندلس اور مصر کے چکر کاٹے اور اقلیدس کی کتاب ''الارکان'' کا عربی سے ترجمہ کیا جس سے اہل مغرب بالکل ناآشنا تھے، افلاطون تبقولی نے تادوسیوس کی کتاب ''الاکر'' کو عربی سے لاطینی میں منتقل کیا، رودلف بروبی نے بطلیموس کی زمین کے آباد حصہ سے متعلق جغرافیہ کی کتاب کا عربی سے ترجمہ کیا، کیونارڈ البیزی نے ۱۲۰۰ء کے آس پاس جبر میں ایک رسالہ لکھا: یہ علماء نے عربوں سے حاصل کیا تھا، کیتانوس بنری نے عربوں ہی سے تیرہویں صدی عیسوی میں اقلیدس کی کتاب کا بہت عمدہ ترجمہ کیا اور اس کی شرح بھی کی، اسی صدی میں قبتلیون بولونی نے حسن بن الہیثم کی کتاب البصریات کا ترجمہ کیا اور جیرارد کریمونی نے اسی صدی ہی میں بطلیموس کی مجسطی اور جابر کی شرح کا ترجمہ کر کے ٹھوس اور حقیقی علم فلکیات کو بہت عام کیا، ۱۲۵۰ء میں اذفونش قشتالی نے علم فلکیات کے زایچوں کو رواج دینے کا حکم دیا جو اسی کے نام سے معروف ہیں۔

جب ایک طرف روجر اول نے صقلیہ میں عربوں کے علوم کی تحصیل پر ابھارا بالخصوص ادریسی کی کتابوں کی تو دوسری طرف رومن امپائر فردریک دوم بھی عربوں کے علوم وفنون کے مطالعہ پر آمادہ کرنے میں اس سے کچھ پیچھے نہیں تھا، ابن رشد کے لڑکے اس شہنشاہ کے دربار شاہی میں رہ کر اس کو نباتات اور حیوانیات کی تاریخ سکھاتے، ہومبلڈ کائنات سے متعلق اپنی کتاب میں ذکر کرتا ہے کہ کیمیاوی ادویہ کے موجد عرب ہی ہیں اور عرب ہی سے وہ ابتدائی ٹھوس تعلیمات آئیں جس کی نسبت سالیرم کی درسگاہ کی طرف کی جاتی ہے، جنوبی یورپ میں ایک زمانہ بعد یہ تعلیمات عام ہوئیں، جڑی بوٹیوں کا علم اور طب، جن دو چیزوں پر فن علاج وشفا کی بنیاد ہے، ایک ہی وقت میں علم نباتات اور علم کیمیا کے مطالعہ کا سبب بنا، کو مختلف راستوں سے اور عربوں کے ذریعہ اس علم کے ایک جدید دور کا آغاز ہوا، عالم نباتات سے عربوں کی گہری واقفیت ہی کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے ذلیفوریدس کے پودوں میں دو ہزار پودوں کا اضافہ کیا، اسی طرح عربوں کی جڑی بوٹیاں اور ترکیب ادویہ کا علم بہت سے ایسے پودوں پر مشتمل ہے جس سے اہل یونان بالکل ہی ناواقف تھے، رازی اور ابن سینا کے متعلق سیدیو لکھتا ہے کہ وہ دونوں اپنی کتابوں کے ذریعہ ایک زمانہ دراز تک مغربی درسگاہوں پر چھائے رہے اور ابن سینا تو یورپ میں طبیب ہی کے نام سے معروف ہوا، وہاں کی درسگاہوں پر تقریباً چھ صدیوں تک بلا شرکت غیرے اسی کا اثر واقتدار قائم رہا، اس کی پانچ حصوں پر مشتمل ضخیم کتاب ''القانون'' ترجمہ ہو کر کئی دفعہ شائع کی گئی کیونکہ فرانس اور اٹلی کی دانش گاہوں میں اسی کو بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

لطائف ادب

انگریزی کا جادو

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

اگر آپ کا تعلق اونچے طبقے سے ہو تو کسی ”سرائے“ میں ٹھہرنا آپ کے لیے باعث توہین، لیکن کسی ”ہوٹل“ میں قیام کرنا ذرا بھی باعث شرم نہیں، حالانکہ دونوں میں اس کے سوا کیا فرق ہے کہ ”سرائے“ مشرقی اور دیسی ہے اور ”ہوٹل“ مغربی اور انگریزی ہے؟ کوئی اگر یہ کہہ دے کہ ”سرائے“ کے فلاں ”بھٹیارے“ سے آپ کا یارانہ ہے تو آپ اس کا منھ نوچ لینے کو تیار ہو جائیں، لیکن فلاں ہوٹل کے منیجر کے درمیان بجز ایک کے دیسی اور دوسرے کے ولایتی ہونے کے اور کوئی فرق ہے؟ کسی مدرسے میں اگر آپ ”مدرس“ ہیں تو بات کچھ معمولی ہی ہے، لیکن کسی ”کالج“ میں آپ ”لکچرار“ یا ”پروفیسر“ ہیں تو معزز اور صاحب وجاہت ہیں، حالانکہ اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے ”مدرس“ اور ”پروفیسر“ ایک ہی چیز ہیں۔

ندوہ کے ”دارالاقامہ“ میں اگر آپ قیام پذیر ہیں تو آپ کا دل کچھ خوش نہیں ہوتا، لیکن اسی ”دارالاقامہ“ کا نام جب آپ ”شبلی ہوسٹل“ سنیں تو آپ کا چہرہ فخر و خوشی سے دمکنے لگتا ہے، ”مدرسہ“ میں اگر آپ پڑھتے ہیں یا پڑھاتے ہیں تو خود اپنی نظروں میں بے وقعت ہیں، لیکن اگر آپ کا تعلق کسی ”کالج“ سے ہے تو پھر آپ سے زیادہ معزز کون ہے؟ اس وقت ہر مدرسہ طبیہ اسکول اور مدرسہ تکمیل الطب اور مدرسہ منبع الطب، اب تکمیل الطب کالج اور منبع الطب کالج ہیں، مدرسہ وہاجہ طبیہ کا زمانہ گیا، اب اس کا صحیح نام طبیہ وہاجہ ”کالج“ ہے، طبی درس گاہوں کو چھوڑیے، خود دینی درس گاہوں کا کیا حال ہے؟ وہ دن گئے جب زبانوں پر مدرسہ چشمۂ رحمت کا تذکرہ تھا، اب وہ ”چشمۂ رحمت کالج“ ہے اور وہاں کے صدر مدرس ”پرنسپل“ صاحب ہیں، مدرسہ نظامیہ فرنگی محل کے سب سے بڑے استاذ کو ذرا ”صدر مدرس“ کہہ کر تو دیکھئے آپ کی غلطی کی تصحیح کی جائے گی کہ ان کا عہدہ اب صدر مدرسی کا نہیں ”پرنسپلی“ کا ہے۔

مینڈھے لڑاتے ہوئے یا بٹیر یا مرغ بازی کرتے ہوئے اگر آپ کہیں پکڑ لیے گئے تو خود کو کسی کے سامنے منھ دکھانے کے قابل نہ سمجھیں گے، لیکن جب شہر میں باکسنگ کا مقابلہ ہوگا یا کوئی ہیوی ویٹ چمپئن آجائے گا تو ان کا تماشہ دیکھنا تہذیب و روشن خیالی میں داخل، کہیں چوری چھپے ”نوٹنکی“ دیکھنے کھڑے ہو جایئے تو خود آپ کی ثقافت اور وضع داری آپ پر لاحول پڑھنے لگے، لیکن تھیٹر میں آدھی آدھی رات بے تکلف بسر کیجیے کہ ”ڈراما“ جیسے فن شریف کی شرافت و عظمت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟

اپنے دیس کے کسی بھانڈ، کسی سازندہ، کسی ڈھاڑی سے اگر آپ کی شناسائی ہے، تو اس کا ذکر آپ اپنے دوستوں اور بے تکلف ہم عصروں کے سامنے بھی کچھ جھینپ کر ہی کرتے ہیں، لیکن غیر ملکی آرٹسٹوں کے کمالات اور آرٹ کی جتنی جی چاہے داد دیجیے..... بھری محفلوں، بزرگوں اور استادوں کے مجمع اور اخبارات کے صفحات میں آپ کی نقالی ہی کو داد ملتی جائے گی، ”نٹوں“ کا پیشہ بھی بھلا کوئی عزت کا پیشہ ہے اور خدانخواستہ آپ کی کسی نٹ یا نٹنی سے ملاقات کیوں ہونے لگی، لیکن وہ قلابازیاں کھانے والے جب سرکس والے اور سرکس والیاں بن کر آپ کے سامنے آتے ہیں تو نہ آپ ان سے ملنے میں شرماتے ہیں، نہ تعلقات بڑھانے میں، جوئے یا جواریوں سے ظاہر ہے ہماری شرافت کو کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ کوئی ہمیں جواری کہہ کر دیکھے، اپنی جان اور اس کی جان ایک کر دیں، لیکن گھوڑ دوڑ کے دنوں اور میلے کی راتوں میں دن دہاڑے اور بجلی کی روشنی میں یہی ذلت ہمارے لیے عین عزت بن جاتی ہے، بڑے بڑے رئیس اور معزز نہ جوئے کی بازی لگاتے ہوئے شرماتے ہیں اور نہ اپنے کو ریس باز کہلاتے ہوئے، چوک میں کسی حلوائی کی دکان سے پوری مٹھائی اپنے ہاتھ سے خریدے تو نظریں بچا بچا کر، لیکن حضرت گنج میں ویلریو کی دکان کے سامنے اپنی موٹر کھڑی کر کے کیک و پیسٹری کی خریداری بہ نفس نفیس بلا جھجک فرمایئے، اس لیے کہ ”ویلریو“ حلوائی نہیں، کنفیکشنر ہے، کسی چوراہے پر شربت والے کی دکان سے فالودہ کا گلاس خریدنا آپ کی خودداری کے منافی، لیکن حضرت گنج میں صاحب کی جگمگاتی دکان پر آئس کریم نوش فرمانا آپ کی ”عزت اور شان کے عین مطابق“ کسی نانبائی کی دکان کا نام اگر ”ریستوران“ پڑ جائے تو وہی عار فخر میں تبدیل ہو جائے، ”نائی“ بے چارہ جب تک محض نائی ہے یا حجام، اس کے استرے اور کسوت کے آگے سر جھکانا آپ کیوں کر گوارا فرما سکتے ہیں؟ لیکن وہی جب اپنے کو ہیئر ڈریسر کہلانے لگے اور اپنی چوراہے کی دکان پر ”ہیئر کٹنگ سیلون“ کا تختہ لگا دے تو وہی ناگوار کام آپ کے لیے خوش گوار و پسندیدہ بن جائے، عدالت کا پیادہ جب تک ”چپراسی“ یا ”مذکوری“ ہے، حقیر و ذلیل ہے، لیکن وہی پیادہ اگر ”بیلف صاحب“ کہہ کر پکارا جائے تو معزز ہے اور

آپ کی زبان پر محض بیلف نہیں بلکہ "بیلف صاحب" آنے لگے گا، کوئی چمار یا موچی اس قابل کب ہوتا ہے کہ آپ اسے منھ لگائیں، لیکن وہی رذیل اگر کسی ٹینری کا مالک کہلانے لگے تو معاً اس کی رذالت آپ کی نگاہ میں عزت وشرافت سے بدل جاتی ہے، اور دنیا کے سب سے بڑے موچی باٹا کی قوم سے تعلق رکھنا تو عین دلیل اعزاز ہے، بستی کا ساہوکار یا مہاجن کتنا ہی بڑے سے بڑا ہو، آپ کی نظر میں محض "بنیا" ہے لیکن وہی بنیا اگر کسی بینک کا منیجر ہوجائے یا اپنے کو بینکر کہلانے لگے تو دیکھئے اس کا مرتبہ دم بھر میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، کسی رئیس کا "مصاحب" آپ کی نظر میں اخلاقی حیثیت سے بے عملی، خوشامدی، چاپلوسی اور خودفروشی کا مجسم ہے، لیکن صاحب کے "پرائیوٹ سکریٹری" اور "اے ڈی سی" کا نام اِدھر آیا اور اُدھر معاً آپ کی نظروں میں کارکردگی و مستعدی، رعب و دبدبہ کی تصویر پھر گئی، پنچایت کا نام آیا اور آپ کے ذہن نے نیچ قوموں کا تصور شروع کردیا، لیکن ادھر پنچایت کے بجائے پارلیمنٹ اور اسمبلی، کونسل اور کارپوریشن کے الفاظ بولے گئے اور آپ کا ذہن اُن فرنگی پنچایتوں کی بلندیوں پر رشک کرنے لگا، کوئی مولوی غریب اگر عالمگیری اور شامی کے جزئیات فقہی کا حافظ ہے تو غبی، کودن، کندۂ ناتراش اور محض ملاٹا ہے، لیکن اگر کسی ایڈوکیٹ یا بیرسٹر صاحب کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے نظائر ازبر ہیں تو ان کی قابلیت، خوش دماغی اور ذہانت کے اعتراف میں سب سے آگے آپ ہی ہیں۔

فسانۂ عجائب اور طلسم ہوشربا کے نام آج مجال ہے کہ کوئی زبان پر آسکے، لیکن لندن اور برلن، پیرس اور نیویارک سے کتنے ہی نئے نئے عجائب، افسانے اور کتنے ہی ہوشربا طلسمات، رومانی و جاسوسی افسانے اور ناول خدا معلوم کن کن ناموں سے ہر سال، ہر ہفتہ اور ہر روز شائع ہوتے ہیں اور ان سے باخبر رہنا، پوری دلچسپی وانہماک کے ساتھ ان کے نشر واشاعت میں، ان کے پڑھنے پڑھانے میں لگے رہنا علم وروشن خیالی کی دلیل اور مہذب و تعلیم یافتہ ہونے کی سند ہے، کوئی آپ کو صلاح دے کہ "لوہار" کا پیشہ اختیار کیجئے تو آپ اسے گالی سے کچھ ہی کم سمجھیں گے، لیکن میکینکل انجینئر کے عہدے کی طرف آپ خود لپک لپک کر بڑھ رہے ہیں، "جراح" کے لفظ سے جو تخیل آپ کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، وہ کسی درجہ پست ہے، لیکن "سرجن" کا نام لینے سے اس پستی میں بلندی آجاتی ہے، محلّہ اور پڑوس کے "جولاہے" آپ کے خیال میں پست و ادنیٰ، لیکن کپڑا بننے والے اگر لنکاشائر کے ہیں تو ان کی بابت بھی آپ کا یہی خیال ہے؟ "بزاز" گز ہاتھ میں لیے اور سر پر گٹھری اٹھائے شہر میں پھیر کرتے پھرتے ہیں، ان کی عزت ووقعت نگاہ میں نہیں، لیکن وہی کپڑا بیچنے والے اگر مانچسٹر کے باشندے ہیں تو معزز اور بلند ہیں، بزرگوں کی سالانہ فاتحہ دلیل حمق اور علامت توہم پرستی، لیکن فلاں کالج کے احاطے میں "فاؤنڈرس ڈے" یا "یوم تاسیس" دھوم دھام سے منانا، دلیل دانش و برہان اور روشن خیالی، لکھنؤ کے چوک یا دہلی کی چاوڑی کے پیشہ ور کا نام آپ بے تکلف اور آزادی کے ساتھ ہرگز اپنے کسی بزرگ کے سامنے نہ لیں گے، نہ کسی کا ناچ دیکھنے کھلم کھلا تشریف لے جائیں گے، لیکن ڈرائنگ روم میں گھر کے سب مردوں اور عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں کے سامنے ٹی وی پر بے تکلف فلاں بائی جی اور فلاں "جان" کے نغموں اور ٹھمریوں سے لطف اٹھائیں گے اور جو فلمی آرٹسٹ آپ کے دل میں جگہ کرلے، پوری بے باکی سے آپ اس کی چرچے ہر چھوٹے بڑے کے سامنے کریں گے۔

کوئی کہاں تک گنائے اور ناموں اور لفظوں کی کتنی لمبی فہرست تیار کرے، نمونے کے لیے یہ کافی بلکہ کافی سے کچھ زائد ہی ہیں، اپنی واقفیت کی دنیا میں خود نظر دوڑائیے اور دیکھ لیجیے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں، معاشرت ومعاملات کے ہر گوشے میں فرنگیت کا کتنا رعب ہم پر اور آپ پر چھایا ہے، حقیقت ایک، معنی ومفہوم متحد لیکن جو لفظ اور جو نام فرنگیت اور "صاحب" کے رشتے سے آپ کے کانوں میں تک پہنچے ہیں، ان سے کتنی زیادہ عظمت، کتنی زیادہ اہمیت، کتنی زیادہ بلندی ہمارے دلوں اور دماغوں نے غیر محسوس طور پر قبول کرلی ہے، اگلوں نے بہت کیا تو یہی کیا کہ ملک فتح کرلیے، قلعے تعمیر کرلیے، قلعے سر کرڈالے، فوجوں کو میدان جنگ میں شکست دے دی، اس سے زیادہ نہ چنگیز سے کچھ بن پڑا، نہ ہلاکو سے، نہ دارا سے، نہ سکندر سے، یہ شرف مخصوص اسی دور کے لیے ہے کہ جسم کے ساتھ ساتھ دل ودماغ بھی فتح کرلیے جاتے ہیں اور ہاتھوں اور پیروں کے علاوہ عقلوں، دماغوں اور بصیرتوں سے بھی خط غلامی لکھوالیا جاتا ہے، یہاں تک کہ غریب محکوموں کے پاس "خیر وشر" حسن وقبح، ہنر وعیب کا معیار لے دے کے بس یہی ایک رہ جاتا ہے کہ "صاحب" کی چشم التفات کدھر ہے؟ عزت بھی "صاحب" کی دی ہوئی اور دولت بھی سرکار کی مرحمت کی ہوئی، دین بھی وہیں کا عطیہ اور دنیا بھی وہیں کی بخشش، اب نہ ہندو ہندو ہے، نہ مسلمان مسلمان، سب "رعایائے سرکار" اب نہ کوئی اللہ دین ہے نہ رام دین، بلکہ سب کے سب چھٹ چھٹا کر "صاحب دین"۔

عام الفاظ کو چھوڑیے، ستم یہ ہے کہ اعلام اور

اسمائے معرفہ تک یورپ زدگی کے وبا سے محفوظ نہیں، میاں "کلو" کو آپ نے اپنے ہاں جب دیکھا، دربانی ہی کرتے پایا، لیکن میجر بلیک آپ کے شہر کے سول سرجن ہیں، "کلوا مہتر" آپ کے محلّہ میں رہتا ہے، لیکن پروفیسر "بلیکی" یونیورسٹی کے ایک ممتاز پروفیسر ہیں، "لالہ گھاسی رام" بیچارے "کانجی ہاؤس" کی محرری سے آگے عمر بھر نہ بڑھ سکے، لیکن بریگیڈیر جنرل "ہے" (Hay) برطانوی فوج کے ایک مشہور و معروف افسر ہیں، "میاں رمضانی" اور "میاں شبراتی" کی ساری عمر خدمت گاری میں گزری، لیکن مسٹر "مے" (May) اور ڈاکٹر "فرائڈے" پارلیمان کے نامور رکن ہیں، "مٹھوا کہار" طوطا کلوار" آپ کی بستی ہی میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں، لیکن "سرجان" (Partidge) آپ کے صوبے کے گورنر تھے، اور "سوان" (Swan) صاحب ابھی تبدیل ہوکر کمشنری پر گئے ہیں، آپ کی ماما کا لڑکا "شیرا" بیچارہ اب تک چپراسی کی جگہ خدمت کر رہا ہے، لیکن "بل" (Bull) صاحب ترقی پاکر کمشنر ہوگئے ہیں اور مسٹر (Lamb) اور مسٹر "کڈ" (Kid) آپ ہی کے ضلع میں حاکم بندوبست اور جوائنٹ مجسٹریٹ ہیں، "دریاؤ سنگھ" غریب کولائن جمعداری سے آگے بڑھنا نصیب نہ ہوا، مگر سرجان "لیک" (Lake) دیکھتے ہی دیکھتے ای آئی آر کے ایجنٹ ہوگئے، "لالہ لوہاری مل" کے چلائے عرائض نویسی کا کام بھی نہ چلا، لیکن جسٹس اسمتھ (Smith) حکومت ہند کے ہوم ممبر ہیں، جنگلی گھسیارہ بیچارہ عمر بھر گھاس ہی چھیلا کیا، مگر سرجان "فارسٹر" (Forester) سنا ہے کہ امریکا میں برطانیہ کے کونسل جنرل ہوگئے۔

☆☆☆☆☆

محنت اور حسن نیت واخلاق

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

"وَاَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى، وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى، ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰى" [النجم: ۳۹-۴۱]

(اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا)۔

حیات آفریں پیغام

یہ آیات صرف مسلمانوں ہی کو ہمت کا پیغام نہیں دیتیں بلکہ پوری نوع انسانی کو اور ان سب لوگوں کو جو کوئی صحیح مقصد رکھتے ہیں، کسی مفید دعوت کے علمبردار ہیں، کسی اچھی بات کے لیے جدوجہد کرنا چاہتے ہیں، کسی عظیم مقصد کے لیے وہ کھڑے ہوئے ہیں، ان سب کے لیے ان آیات میں حیات نو کا پیغام ہے، اور خاص طور پر ہماری تعلیم گاہوں کے لیے، اصلاحی مراکز کے لیے اور خاص ان مرکزوں کے لیے جہاں پر نوجوان ہوں امت کے، اور ملت کے بچے و فرزند ہوں، جن کی اٹھتی ہوئی عمر ہے اور چلتی ہوئی کشتی ہے، تو ان کے لیے اس آیت میں پورا دستور العمل ہے اور ایک چراغ راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کے لیے اتنا ہی ہے، جس کی وہ کوشش کرے، اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور خاص ادائے قرآنی کے ساتھ فرمایا گیا: "وان سعیہ سوف یری" (اور اس کی کوشش ایک مرتبہ نظر آکر رہے گی)۔

ہر فرد اور ہر ملت کے لیے قانون خداوندی یہی ہے کہ "وأن لیس للانسان الا ما سعی" (اور انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی)۔

انسان کو اپنی زندگی اور زندگی کے بعد کی زندگی میں اتنا ہی حصہ ملتا ہے، جس کی اس نے کوشش کی، اس کے حصے میں اس کی سعی آئے گی اور سعی کے نتائج آئیں گے۔

"وأن سعیہ سوف یری" اور اس کی کوشش کا نتیجہ ظاہر ہوگا، اس کی کوشش کا نتیجہ دکھائی دے گا، آنکھوں کو دکھائی دے گا کہ جو کوشش کی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا، پھر اس کے بعد بڑی بشارت سناتا ہے، "ثم یجزاہ الجزاء الاوفی" اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اتنا آپ جانتے ہوں گے؟ پھر اس کو بدلہ دیا جائے گا بھرپور بدلہ دیا جائے گا، زیادہ سے زیادہ بدلہ، ایک تو انسان کی کوشش ضائع نہیں ہوگی، کوشش کا نتیجہ نکلے گا پھر انسان کی کوشش کا نتیجہ اس کی توقع سے اس کے استحقاق سے، اس کی محنت کی مقدار سے بھی بڑھ کر نکل سکتا ہے۔

محنت اور حسن نیت واخلاق یہ دو چیزیں جمع ہو جائیں تو پھر وہ ضائع نہیں ہوگا۔

یہ ایک حیات آفریں پیغام ہے، تمام انسانی نسلوں اور تاریخ کے تمام دوروں کے لیے انسان کی کوشش کا نتیجہ ضرور برآمد ہوگا، اور اس کے اثرات و نتائج مشاہدہ میں آئیں گے۔ ☆☆

فکر معاصر

وحدت اسلام کی ضرورت

تحریر: مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

مسلمانوں کو تاریخ کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا ہے، کبھی غلبہ، حکمرانی، اقتدار اور شوکت تو کبھی ہزیمت، پسپائی اور شکست، حالات بدلتے رہے، تاریخ اپنے پرت ان پر کھولتی گئی، امت اسلامیہ پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس کی سلامتی اور بقا پر خطرات کے بادل منڈلانے لگے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کا عقیدہ توحید بھی متزلزل ہونے لگا، خطرہ اس بات کا نہیں تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے زمام اقتدار چھوٹ جائے گی، خطرہ اس بات کا تھا کہ وقت کی اس تیز وتند آندھی میں ان کی دینی شناخت باقی رہ پائے گی یا نہیں؟ یہ حالات علاقائی بھی تھے اور بسا اوقات عالمگیر بھی، اور کبھی تاریخ نے مسلمانوں کو ایک عالمی طاقت کے طور پر ابھرتے ہوئے دیکھا یا جس وقت دنیا پر ان کی حکمرانی کا جھنڈا لہرا رہا تھا، اور وہ اپنے قوانین لاگو کر رہے تھے، اپنی دینی تعلیم عام کر رہے تھے، اپنا کلچر رائج کر رہے تھے، وہ جس ملک کو فتح کرتے تھے، اس ملک کی زبان کو اپنا وسیلہ بنا لیتے تھے، جب انہوں نے یورپ پر فتح حاصل کی اور اسپین پر اپنا جھنڈا لہرایا تو وہاں کی قومی زبان (National language) عربی قرار پائی، یہاں تک کہ ایک مسیحی کاہن کو اس کا احساس ہوا، اور اس نے اپنے اس احساس کا اظہار بھی کیا، ڈاکٹر احمد حسن زیات اپنی کتاب "تاريخ الأدب العربي" میں لکھتے ہیں: اسپین کے باشندوں نے نہ صرف یہ کہ عرب کلچر (Culture) کو قبول (Adopt) کرلیا، ان کے دین میں داخل ہوگئے، یہاں تک کہ ان کی زبان کو بھی اپنا لیا، ان کے اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوگئے، اور اپنی ملکی قدروں کو یکسر بھلا دیا اور اس سے بالکل لاتعلق ہوگئے، ان کی یہ حالت دیکھ کر ایک مسیحی کاہن کی زبان پر شکوہ آ ہی گیا، لیکن یہ پادری بھی عربی زبان کے اس تیز دھارے سے اپنے کو بچا نہیں سکے، اور اپنے مذہبی سرمایہ کو عربی زبان میں منتقل کرنے پر مجبور ہوگئے۔

اسی طرح ان تمام ممالک کو لے لیجیے، جہاں جہاں اسلامی پرچم لہرایا، وہاں کے باشندوں نے فاتح مسلم قوم کی زبان اور کلچر کو قبول کرلیا، اور ان کے دین میں بغیر کسی زور زبردستی یا سختی کے داخل ہوگئے، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، مسلمانوں کا حال تو یہ تھا کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کرتے تھے، ان کو مکمل آزادی دے دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعلیمات اس کی روشن دلیل ہیں کہ جب انہوں نے بیت المقدس کو فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کے لیے صلح نامہ لکھا تو اس میں یہ لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المؤمنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست اور بیمار اور ان کے تمام مذاہب والوں کے لیے ہے اس طرح کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان میں کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں، ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں، ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا، اس کی جان اور مال کی امن ہے تا آنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کر لے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر اللہ کا، رسول کا، خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں"، اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمرو بن العاص اور عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم، اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کی جان، مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں، انہیں تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کو اعلیٰ اسلامی اخلاق کا حامل سمجھا جاتا ہے، کرم گستری، رحمدلی، عدل وانصاف پروری، رعایا کا خیال رکھنا، ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھنا اور ان کے غموں کو اپنے دل پر محسوس کرنا، یہ وہ اوصاف ہیں جو سلطان میں نمایاں طور پر محسوس کیے جا سکتے تھے، ایک عیسائی مؤرخ لین لیون بیت المقدس کی فتح کے دن سلطان کی ان نمایاں صفات کی یوں منظر کشی کرتا ہے۔

سلطان کی کرم گستری، عالی ہمتی اور شریفانہ طبیعت کے پرت تو حقیقت میں اس دن کھلے، جس

دن مسلمانوں کو بیت المقدس کی چابیاں ملیں، اور ان کی فوج اور گورنر وہاں فاتحانہ داخل ہوئے، ایک بھی عیسائی ایسا نہ تھا جس کو مسلمانوں کی جانب سے سختی کا سامنا کرنا پڑا ہو، بادشاہ کے پہریدار ملک کی باہر کی سڑکوں پر اور سرحدوں پر پہریداری کرتے تھے، اور باب داؤد پر ایک امانت دار ٹیکس وصول کرنے والا تعینات تھا، جو ہر فدیہ دینے والے کو باہر جانے کی اجازت دے دیتا تھا، مؤرخ لین لبون اس کے بعد تحریر کرتے ہیں، اس انصاف پرور بادشاہ کے بھائی اور اس کے درباریوں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے ہزاروں غلاموں کو آزادی کا پروانہ عطا کیا، پھر صلاح الدین ایوبیؒ نے اپنے ماتحت افسر سے کہا، اے میرے بھائی! تم بھی صدقہ کرو، اور تمام درباریوں کو صدقہ کی ترغیب دو، اور میں بھی صدقہ کرنا چاہتا ہوں، پھر انہوں نے ایک فوجی کو یہ حکم دیا کہ وہ تمام راستوں، گلیوں میں یہ صدا لگادے کہ وہ تمام عمر دراز اور بچے جو فدیہ دینے کی پوزیشن (Position) میں نہیں، وہ بھی آزاد ہیں، جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، تو وہ سب وہاں سے نکلنے لگے یہاں تک کہ یہ سلسلہ طلوع شمس سے غروب آفتاب تک جاری رہا، اور اس کے علاوہ صلاح الدین ایوبیؒ نے لاچاروں اور مسکینوں پر جو خرچ کیا، اس کا تو اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔

مسلمان فاتحین کا ہمیشہ یہ امتیاز رہا ہے کہ وہ اپنے اخلاق سے دل جیتتے تھے، ہندوستان نے بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے، یہاں تک کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ جس کو متعصب انگریز مؤرخوں نے ڈکٹیٹر کے نام سے یاد کیا ہے اور اس پر یہ جھوٹا الزام لگایا ہے کہ اس نے غیر مسلموں کو نہایت ہی بے رحمی سے قتل کیا ہے، ان کی عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا ہے، حالانکہ صورتحال اس کے بالکل برعکس تھی۔

اور اگر ان کے والد شاہ جہاں کی بات کی جائے تو وہ عفو و درگزر میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، اور جہاں گیر کا انصاف تو ضرب المثل بن گیا، یہاں تک کہ یہ لفظ ان کے نام کا جزء لاینفک ہوگیا، اور انگریز منصف مؤرخوں نے اس حقیقت کو کھلے ذہن سے قبول بھی کیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اسلام بہت تیزی سے پھیلا، اور اسلام پسندوں کے اقلیت میں ہونے کے باوجود چند سالوں میں دنیا کا نقشہ بدل گیا، اور متعدد غیر اسلامی ممالک عالم اسلامی کے نام سے جانے جانے لگے، وہاں کی زبان عربی زبان ہوگئی، بعض ممالک نے اپنی تہذیب اور زبان کو قیمتی سرمایہ کی طرح محفوظ رکھا، انہی ممالک میں ایک ملک ہندوستان بھی ہے، یہاں مسلم حکمرانوں کی حکومت آٹھ صدیوں پر محیط رہی، ان کے تعلقات غیر مسلموں سے بھی رہے، غیر مسلم حکومت کا ایک حصہ بھی رہے، ان مسلم حکمرانوں نے ان کے مذہبی امور میں مداخلت بھی نہیں کی۔

ہندوستان میں اسلام داعیوں اور مصلحین کی کوششوں کا نتیجہ ہے، جنہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاموشی کے ساتھ اپنا کام کیا، ان کو حکومتوں کی مدد حاصل نہیں تھی، اور اس کا اعتراف مستشرق آرنلڈ نے اپنی کتاب "الدعوة إلى الإسلام" میں کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ اسلام ہندوستان میں داعیوں اور مصلحین کی محنتوں کا ثمرہ ہے، اور اسی کے ضمن میں انہوں نے تاتاریوں کے قبول اسلام کا قصہ بھی ذکر کیا۔

اسلام کی دعوت تمام اسلامی تحریکات کے لیے ایک غذا کی حیثیت رکھتی ہے، یہی امت اسلامیہ کا شعار ہے، اور یہی خصوصیت اس کی بقا کی ضامن ہے، اللہ رب العزت فرماتا ہے: "كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ". [آل عمران:۱۱۰]

مسلمانوں کا دوسرا نمایاں وصف وحدت اور یکجہتی ہے، ان کے اور ان کے حکمرانوں کے درمیان باہم ربط و تعلق ہے، مسلم حکمرانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رعایا کا خیال رکھیں، ان کی ضرورتوں کی تکمیل کریں، علماء اور صلحاء کی توقیر کریں، اور کبھی کبھی نصیحت کے لیے ان کو دعوت دیں۔

یہ وحدت اور یکجہتی ایک عالمی امت کا شعار ہے اور اسی وصف سے متصف ہو کر انہوں نے اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کی، اور مختلف غزوات اور جنگوں میں اسلامی پرچم لہرایا، اور خاص طور پر صلیبی جنگوں میں وہ ہمیشہ حاوی رہے، اس کا بھی اعتراف بہت سے حقیقت پسند مؤرخوں نے کیا ہے کہ مسلمان جب جب شیرازہ بندی کا شکار ہوئے، اور ان پر کسی نے حملہ کیا تو وہ سب متحد اور یک مشت ہوگئے، اور ان کی یہی وحدت صلیبیوں کی شکست کا سبب بنی۔

دشمنوں نے آخر اس راز کو پا ہی لیا کہ مسلمانوں کو منتشر کیے بغیر ان پر غلبہ حاصل نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ وہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو (Divide & Rule) پر عمل کرنے لگے، اور اسی کی مدد سے انگریزوں نے ہندوستان میں حکومت کی، انہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کیا، دلوں میں دوریاں پیدا کیں، لیکن وہ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکے، وحدت او یکجہتی آزادی کے پرچم تلے پھر ابھر آگئی، اور انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنا پڑا، اور خلافت عثمانیہ کے سقوط کا راز بھی اس میں پنہاں ہے کہ حکومت انتشار کے ساتھ نہیں چل سکتی۔

یورپ عالم اسلام پر تقریباً ایک صدی تک حاوی رہا، پھر اس کو وہاں سے نکلنا پڑا، کیوں کہ قومی

اوردینی شعور مسلمانوں میں بیدار ہو چکا تھا، وہ اس وقت ان ممالک میں داخل ہوئے تھے جب مسلمان بٹے ہوئے تھے، ان میں دنیا کی محبت سرایت کر گئی تھی، ان کا خوف دوسروں کے دلوں سے نکل چکا تھا، رعایا حکمرانوں کے خلاف برسر پیکار تھی، اور مسلمان مختلف دینی تہذیبی اور فکری کیمپوں میں تقسیم ہو چکے تھے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار تھے۔

آج جو صورتحال ہے وہ اس صورتحال سے مختلف نہیں جو سامراجی نظام سے قبل رائج تھی، چاہے بات مصر کی ہو یا شام کی، یا عراق کی، ہر جگہ جنگ برپا ہے، وہاں کے باشندے اپنے ہاتھوں امن کو تار تار کر رہے ہیں، اپنے ملک کا حسن بگاڑ رہے ہیں، مسلمان آپس میں خونریزی کا کھیل کھیل رہے ہیں، اوران کو اس کا احساس بھی نہیں کہ انسانی جان کی کتنی اہمیت ہے؟!

امریکی نیوز ایجنسی این بی سی کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ وہ واقعات جو اسلامی ممالک میں ان تین سالوں میں پیش آئے، اس کا لقمہ چار ملین مسلمان بنے، اور یہ صورتحال ہر اس شخص پر عیاں ہے جو ٹیلیویزن دیکھتا ہے، اخبارات پڑھتا ہے، یا کسی حد تک نیوز سن لیتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی حکومتیں ان اسلامی ممالک میں فکری اور سیاسی طور سے وہاں کے مسائل کا تصفیہ کرنے میں بالکل ناکام ثابت ہوئیں، اور خونریزی روکنے میں ناکام رہیں، انہوں نے باہر والوں کے لیے راستہ ہموار کیا، وہ ایک بڑے خطرہ سے ڈراتی رہیں، اور وہ خطرہ ہے سامراجی نظام حکومت کا، جو آج ان اسلامی ممالک پر منڈلا رہا ہے۔

[ترجمانی: خلیل احمد حسنی ندوی]

☆☆☆☆☆

اسلام دین رحمت ہے!

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ

اسلام ایک دین رحمت ہے، اس لیے کہ انسانیت کی تکمیل کے لیے جتنے فضائل اخلاق کی ضرورت ہو سکتی ہے، ان سب کی تعلیم ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور ان پر خود عمل کر کے دکھایا، ایمان، تزکیۂ نفس، زہد، تقویٰ، عفت، پاکبازی، دیانت داری، شرم، رحم، عدل، عہد کی پابندی، احسان، عفو و درگزر، خودداری، شجاعت، استقامت، حق گوئی، استغناء، محبت اور شفقت وغیرہ کی جو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیمات ہو سکتی ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو ملیں اور جتنے رذائل ہو سکتے ہیں، ان سب کی مذمت اور ممانعت کی گئی ہے، ان تعلیمات کے بعد یہ کہنے میں فخر ہوتا ہے کہ اسلام کا رب، رب المسلمین ہی نہیں بلکہ رب العالمین ہے، اور اس کا رسولؐ رحمۃ للمسلمین کے بجائے رحمۃ للعالمین ہے، اگر کوئی اس کی حقیقت کو تسلیم کرنے سے گریز کرے تو یا تو اس کا یہ مذہبی تعصب ہے، یا اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت اس کے بیچ میں حائل ہے، یا وہ غلط رائے قائم کرنے کی منفیانہ ذہنیت میں مبتلا ہے۔ ☆☆

دعائے مغفرت

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مؤقر استاذ تفسیر و حدیث مولانا محمد برہان الدین سنبھلی کے چھوٹے فرزند مولوی سلمان الدین ندوی کا بعمر ۴۷ سال شب جمعہ ۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۱؍جنوری ۲۰۱۶ء کو انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بعد نماز جمعہ احاطۂ دارالعلوم میں نماز جنازہ استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی نے پڑھائی اور ڈالی گنج قبرستان میں تدفین ہوئی۔ وفات سے تقریباً ۳۰؍گھنٹے قبل دل کا آپریشن سہارا ہسپتال لکھنؤ میں کامیاب رہا تھا، مگر وقت موعود آن پہونچا اور مالک حقیقی سے جا ملے، مرحوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ مکاتب کے تحت مکتب علی گنج لکھنؤ میں تدریسی خدمت انجام دیتے تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ (جو آخری وقت تک شوہر کی تیمارداری اور خدمت میں دل و جان سے لگی رہیں)، والد محترم، دو بھائی اور تین بہنیں ہیں۔

اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت فرمائے اور مولانا موصوف و اہل خاندان کو صبر جمیل عطا دے۔

☆ مولانا عبدالعلیم ماہر سمراوی سابق نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا ۷۴ سال کی عمر میں ۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۹؍جنوری ۲۰۱۶ء بروز جمعہ ممبئی میں انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم طویل عرصے سے علیل اور زیر علاج تھے، ممبئی ہی کے ایک قبرستان میں تدفین ہوئی، پسماندگان میں ایک بیٹا اور گیارہ بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور اہل خانہ صبر جمیل دے۔

☆ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق حقیؒ کے خلیفہ اور آل انڈیا ملی کونسل کے قومی نائب صدر مولانا عبدالاحد تاراپوری کا ۲۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق ۳۱؍جنوری ۲۰۱۶ء کو انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم نے پوری زندگی قوم و ملت کی خدمت میں لگا دی، گجرات فسادات کے وقت فساد زدہ مسلمانوں کے لیے بڑی خدمات انجام دی تھیں، اس وقت مولانا مرحوم کے فرزند مفتی محمد رضوان تاراپوری گجرات ملی کونسل کے صدر ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور ملی کونسل کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ ☆☆

تعلیم وتزکیہ

مدرسہ کھولا ہے دوکان نہیں!

● ....مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) ایک دن ہمیں وصیت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ دیکھو بھائی یہ میں نے مدرسہ کھولا ہے کوئی دوکان نہیں کھولی ہے اور میں اس کو ہر قیمت پر چلانے کا مکلّف بھی نہیں ہوں، میں اس کا مکلّف ہوں کہ اپنی حد تک اس کو چلانے کی جتنی کوشش ہوسکتی ہے وہ کروں اور اس کو ہمیشہ چلاتے رہنے کا بھی مکلّف نہیں ہوں، لہٰذا جب تک اصول صحیحہ کو برقرار رکھتے ہوئے اس کو چلاسکو تو چلاؤ، لیکن جس دن اس کو چلانے کے لیے اصول صحیحہ کو قربان کرنا پڑے اس دن اس کو تالا ڈال کر بند کردینا کیونکہ مدرسہ بذات خود مقصد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور وہ اس وقت حاصل ہوسکتی ہے جب مدرسہ اصول صحیحہ پر چلایا جائے، یہ کوئی دوکان نہیں ہے کہ اس کا ہر حال میں چلتے رہنا ضروری ہو، اس کو بند کرکے کوئی اور دھندا دیکھ لو، کوئی اور کام کرلو۔

یہ ایسی کانٹے کی بات فرمائی تھی کہ عام طور سے جب مدرسے قائم کیے جاتے ہیں تو دماغ میں یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہر حال میں چلانا ہی ہے، اگر صحیح راستہ اختیار کیے ہوئے نہیں چلتا تو غلط راستہ اختیار کرو، لیکن وہ کہتے تھے کہ غلط راستہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو جب صحیح راستہ سے نہیں چل رہا ہے تو بند کردو، آخرت میں سوال نہیں ہوگا کہ تم نے بند کیوں کردیا، ساری عمر اسی اصول پر عمل فرمایا، مدرّسوں کے اندر جو جذبات ہوتے ہیں ان کی کبھی رعایت نہیں کی۔

جب دار العلوم نانک واڑہ سے یہاں منتقل ہو رہا تھا تو آپ لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ یہ جگہ کیا تھی، ایسا ویرانہ اور ریگستان اور ایسا صحرا تھا کہ جس میں دور دور تک نہ پانی، نہ بجلی، نہ فون، نہ پنکھا، نہ بس اور کوئی آمد ورفت کا ذریعہ، بس ڈیڑھ میل دور جاکر ملتی تھی وہ بھی سدا جنگل تھا، پانی شرافی گوٹھ کے کنویں سے بھر کرلاتے تھے، یہاں پانی نہیں تھا، ایسی جگہ مدرسہ قائم کیا تھا۔

اس وقت بہت سے ایسے اساتذہ جو بڑے مشہور تھے اور ہمارے ہاں پڑھا رہے تھے وہ یہاں آنے پر تیار نہیں تھے، اس لیے کہ یہاں کی زندگی بڑی پُر مشقت تھی، بہت سے حضرات اور بڑے بڑے اساتذہ جن میں چند ایسے اساتذہ بھی تھے جو دار العلوم کی بنیاد سمجھے جاتے تھے وہ چلے گئے، ان کے جانے سے ظاہر ہے مدرسے کے اوپر اثر پڑ ناتھا، تو لوگوں نے والد صاحبؒ کے پاس جاکر کہنا شروع کردیا کہ جب اتنے بڑے بڑے اساتذہ چلے گئے ہیں تو مدرسہ کیسے چلے گا؟ لہٰذا کسی مشہور استاذ کو خط لکھ دیں کہ آپ ان کو بلانا چاہتے ہیں، لیکن والد صاحبؒ نے کہا کہ یہ میرے اصول کے خلاف ہے، میں یہ نہیں کرسکتا کہ ایک مدرسہ کو اجاڑ کر دوسرا مدرسہ آباد کروں، لہٰذا اگر کوئی کہیں کام کررہا ہے، تو میں اس کو بیــع علـى بيع أخيـه نہیں کروں گا، ہاں اگر خود سے اللہ تعالیٰ عطا فرمادیں تو یہ دوسری بات ہے۔

ایک سال ایسا ہوا کہ دورۂ حدیث کی جماعت میں بارہ یا تیرہ طالب علم تھے، لوگوں نے کہا کہ دورۂ حدیث کی جو جماعت ہے اور بارہ تیرہ طالب علم ہیں، کہا کوئی ضروری تھوڑا ہی ہے کہ طلبہ کی بھیڑ جمع کریں، ہمارے جو صحیح طریقے ہیں ان سے ہم جتنا کرپارہے ہیں اسی کے مکلّف ہیں چاہے وہ بارہ ہوں یا دس ہوں یا پانچ ہوں، ایک بھی نہ ہو نہ سہی، لیکن اصول صحیحہ کو قربان کرکے طلبہ کی جماعت بڑھادوں یہ نہیں کروں گا، سالہا سال یہ صورتحال رہی، کئی سال تک یہ صورتحال رہی کہ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ بھائی دیکھو فلاں مدرسہ میں اتنے طالب علم ہیں اور اس میں بارہ چودہ طالب علم ہیں، فرماتے وہ ہوا کرے، ہمیں کوئی جمات بڑھانا تھوڑا ہی مقصود ہے، ہمارا مقصد دین کی خدمت ہے چاہے وہ جس طرح بھی ہوجائے، کسی کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹائیں گے، ایک استاذ کافی ہے، کسی نے کہا کہ حضرت یہ تو حالت ضرورت اور اضطرار ہے، انہوں نے جواب دیا کہ صاحب یہ مولویانہ تاویلات چھوڑو میں یہ کام نہیں کروں گا، جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ خود کہیں سے چھوڑنا چاہتے ہیں ان کو بلالوں گا، ساری عمر یہی کام کیا، یہ پلے باندھنے کی باتیں ہیں، جب مقصود دین ہی ہے پھر ہر معاملہ میں دین کی تعلیم کو مدنظر رکھنا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے، یہ نہیں کہ مدرسہ کے لیے اور معیار ہے اور دوسروں کے لیے اور معیار ہے۔

☆☆☆☆☆

یادوں کے چراغ

شیخ محمد ولی نورولی مرحوم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

نورولی خاندان گجرات کا حجاز مقدس میں مقیم مشہور پابند مذہب اور معروف کاروباری خاندان ہے، جس کے افراد اپنی کاروباری مصروفیت کے ساتھ دین ودعوت سے نہ صرف جڑے رہے ہیں بلکہ علماء اور داعیان دین کے میزبان اور ان کے خوشہ چیں رہے ہیں، گجرات کے جو افراد اپنے تجارتی ذوق کے تحت ملک سے باہر جاتے رہے ہیں نورولی خاندان ان ہی کا ایک حصہ ہے، اور اپنی خاص اہمیت رکھتا ہے، ان کے سربراہ شیخ عبد القادر محمد نورولی گذشتہ صدی کے ابتدائی دور میں اپنے وطن پٹن گجرات سے جدہ گئے تھے، اس عہد میں مملکت سعودیہ اور ان میں حجاز کا علاقہ اقتصادی لحاظ سے ترقی کی حالت میں نہ تھا، باہر سے مال پہونچتا تھا جس سے زندگی کی ضروریات پوری ہوتی تھیں، کاروبار کے سلسلہ میں باہر سے جو لوگ وہاں پہونچے، ان کو وہاں کی ضرورت پوری کرنے کا موقع ملا، یہ لوگ ان حضرات کے علاوہ تھے، جو محض دینی جذبہ سے ہجرت کے مختلف خطوں سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں آکر مقیم ہوئے، ایسے لوگ حجاز مقدس کے اردگرد کے علاوہ یعنی حضر موت، یمن اور شام سے بھی آئے، اور ہندوستان، مصر اور بعض شمالی افریقہ اور حجاز وغیرہ سے بھی آئے، ان میں مراکش سے آئے ہوئے شیخ محمد نصیف صاحب مرحوم اور ہندوستان سے شیخ عبدالقادر محمد نورولی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان سے انگریزوں کی عملداری کے زمانہ میں ردعیسائیت کے مشہور ماہر داعی ومبلغ علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ بھی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے، ان حضرات کے قیام کے نتیجہ میں ان کے ابناء واحباء بھی وہاں آباد ہوئے، ایک نام ہندوستان کے مشہور بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا بھی لیا جاسکتا ہے، کہ وہ بھی اس دور میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں مقیم ہوئے تھے، لیکن ان کا خاندان وہاں آباد نہ ہوا، شیخ محمد نصیف علمی لحاظ سے بھی بڑی خصوصیت رکھتے تھے، اور حجاز آنے والے علماء سے ملتے اور پذیرائی کرتے اور کاروباری لحاظ سے ان کی ایسی حیثیت تھی کہ سعودی خاندان کی نئی نئی حکومت کو بعض موقع پر ان جیسے لوگوں سے مدد ملی، محمد نصیف صاحب کی اولاد میں محمد عمر نصیف ہوئے اور ان محمد عمر نصیف کے بیٹے عبداللہ عمر نصیف کو علمی لحاظ سے ترقی وشہرت ملی، وہ جدہ کی ملک عبدالعزیز یونیورسٹی کے نائب وائس چانسلر اور رابطۂ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل کے عہدہ پر رہے، اس کے علاوہ بھی انہیں اور ذمہ داریاں ملیں اور باہر بھی اچھے مقام کے حامل بنے۔

علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنے داعیانہ کام کے ذریعہ مقام بنایا، ان کے اور ان کے بھائی کی کوشش سے مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ قائم ہوا جو وہاں مدارس کی کمی کی صورت میں بڑی اہمیت کا حامل بنا، وہ اب بھی تعلیمی و دعوتی خدمات اور حجاج کی میزبانی سے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، جس کے آخر میں ممتاز علمی خصوصیات کے حامل فرد مولانا مسعود شمیم ناظم مدرسہ صولتیہ کرتے تھے ان کی یہ خصوصیات ان کے بڑے صاحبزادے مولانا حشیم عثمانی صاحب میں بھی منتقل ہوئی ہیں جو اس وقت مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ کے ناظم ہیں۔

اس وقت حجاز میں مقیم ایک اہم شخصیت محمود حافظ کی معروف رہی، ان کی والدہ پیشاور کی تھیں اور وہ حجاز کے تھے اور ان کی اہلیہ شام کی تھیں، لہٰذا ان کا خاندان تین ملکوں سے مرکب خاندان بنا اور انہوں نے ان تینوں کا خیال رکھا، اور تینوں جگہوں سے آنے والی اہم شخصیتوں کی پذیرائی اور اکرام کیا، وہ خود حکومت کے سرکاری دائرہ کے فرد تھے، لہٰذا حکومت میں بھی ان کا اثر تھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جب حجاز مقدس گئے تو ان کے ساتھ بڑی پذیرائی اور اکرام کا معاملہ کیا، اور اس طرح مولاناؒ کے دعوتی کام میں وہاں کی اہم شخصیتوں سے ربط وتعلق کا ذریعہ بنے، انہوں نے اپنے ایک صاحبزادے محمد الحافظ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم کے لیے بھیجا، جنہوں نے ندوہ میں تعلیمی سال گذارا، ہندوستان کے گجراتی پٹنی خاندان کے بزرگ شیخ عبدالقادر نورولی نے بھی حجاز مقدس میں کاروباری حلقہ میں نمایاں مقام حاصل کیا، اور اپنے کاروبار کے ذریعہ سے وہاں بڑی ترقی کی، جب ۱۹۵۰ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ دعوت وتبلیغ کے ایک وفد کے ساتھ حجاز گئے جس کی سربراہی ہندوستان کے مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کر رہے تھے تو وہ اپنے رفقاء کے ساتھ ان ہی کے مہمان ہوئے، شیخ عبدالقادر نورولی صاحبؒ نے بہت تعلق خاطر کے ساتھ سب کو مہمان بنایا اور اپنے اس عمل کو بعد کے لیے بھی لازم بنایا، لہٰذا بعد میں جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا حجاز مقدس کا سفر ہوتا رہا، جس میں مجھے بھی بار باران کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا رہا تھا تو جدہ کے قیام کے دوران انہی کے مکان میں ٹھہرنا ہوا، اور حجاز مقدس کے دوسرے شہروں میں بھی مہمان بننا ہوتا تھا اور مدینہ منورہ میں بھی انہی کے مکان بستان نورولی میں ٹھہرنا ہوتا۔

شیخ عبدالقادر نورولی کے کئی بیٹے تھے، ان میں بڑے بیٹے محمد نور عبدالقادر عبدالغنی نورولی بھی پورا خیال کرتے تھے، وہ ان کے دیگر بھائی بڑی تواضع ومحبت سے ملتے اور یہ سب اہل خاندان کی طرح معاملہ کرتے اور اس خاندان کے افراد ایرپورٹ میں استقبال اور پھر تو دبئ ائیرپورٹ تک کرتے، نورولی نامی یہ خاندان پٹن گجرات میں وہاں کی تاریخی شخصیت علامہ محمد طاہر پٹنی کے یادگار مدرسہ کا بھی سرپرست تھا، اور حجاز میں رہتے ہوئے مدرسہ کی فکر کرتا تھا، نورولی سربراہ خاندان کے مورث اکبر عبدالغنی محمد نورولی تھے، جدہ میں مقیم ان کے صاحبزادہ شیخ عبدالقادر نورولی تھے، شیخ عبدالقادر کے ایک بھائی عبداللہ نورولی تھے جو شیخ عبدالقادر کے شریک کار تھے، عبداللہ نورولی کے بیٹوں میں محمد ولی نورولی زیادہ معروف رہے، انہوں نے حضرت مولانا سے استرشاد کا تعلق قائم کیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خلافت بھی دی، اور اس راہ میں انہوں نے ترقی کی فکر رکھی، اور تقرب الی اللہ کے اعمال کے وہ پابند رہے۔

جدہ کے سرپرست خاندان شیخ عبدالقادر نورولی کے بڑے بیٹے محمد نور اپنی سوجھ بوجھ، اخلاق ومحبت اور اہل اللہ سے تعلق رکھنے میں زیادہ محتاط تھے، ان کا کاروبار بہت پھیلا، اور اس کی شاخیں ریاض، جدہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ میں پھیلی ہوئی تھیں، یہ اپنے والد عبدالقادر نورولیؒ کے بعد حضرت مولاناؒ سے اپنے والد ماجد کے زمانہ جیسا تعلق رکھتے اور بڑے اصرار سے اپنا مہمان بناتے اور ان کے رفقاء کے ساتھ بھی محبت واخلاق کا معاملہ کرتے۔

شیخ محمد ولی نورولیؒ کا مزاج شروع سے زیادہ دین پسندی اور تعلق مع اللہ کو مضبوط کرنے اور دین میں رسوخ پیدا کرنے کا تھا، اس لیے وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے بیعت ہوکر داخل سلسلہ بھی ہوئے اور ان کے تلقین کردہ معمولات کے ہمیشہ پابند رہے، اور اس کا اہتمام رکھا کہ رمضان المبارک کا پورا مہینہ یکسوئی کے ساتھ مسجد حرام مکہ معظمہ میں گذاریں اور یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ گذشتہ ماہ مبارک کی ۲۳ویں تاریخ کو جمعہ کے دن داعی اجل کو بلدامین میں لبیک کہا، اس میں ان کو اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے مناسبت رہی کہ ان کا انتقال بھی انہی تاریخوں میں اور جمعہ کے دن ہوا تھا، آخری عشرہ کی وجہ سے بہت بڑے مجمع نے حرم شریف میں جمعہ کی نماز کے بعد ان کی نماز جنازہ ہوئی، اور جنۃ المعلاۃ میں تدفین عمل میں آئی، للہ ما أخذ وله ما أعطى و كل شئى عنده بأجل مسمى، غفراللّٰه تعالىٰ له وأدخله فى العليين مع الأبرار المتقين.

حضرت مولاناؒ سے استرشاد وخلافت کا تعلق ہونے کی بنا پر مجھ سے بھی وہ قریبی ربط ومحبت کا رویہ رکھتے تھے، اور یہ غالباً ہم عمر ہونے کی وجہ سے بھی تھا اور وہ خال معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے محبت وعقیدت کی وجہ سے ان سے جو میرا رشتہ تھا، اس کا وہ لحاظ کرتے تھے، اور جب میں حضرت مولاناؒ کے انتقال کے بعد حجاز مقدس حاضر ہوا تو تعلق خاطر سے وہ ملتے اور اظہار محبت وتعلق فرماتے رہے، عمر کے ساتھ ان کی صحت کمزور ہوتی چلی گئی تھی، پھر بھی وہ خیال فرماتے، بعد کے سفروں میں میرا جو ان کی زندگی میں حجاز مقدس کا آخر سفر تھا اور جدہ میں عزیزی ضیاء عبداللہ ندوی سلمہ کے یہاں قیام تھا وہ ملاقات کے لیے از خود تشریف لائے، ان کی گفتگو سے برابر دین میں ترقی کی فکر ظاہر ہوتی تھی۔

حضرت مولاناؒ سے تعلق کی بنیاد پر مولانا کے اہل تعلق اور مولاناؒ کے ادارہ ندوۃ العلماء سے اور اس سے نکلنے والے رسالوں اور اس کے دارالاشاعت کی کتابوں سے بھی ان کا تعلق تھا، اسی تعلق کی بناء پر وہ ندوہ کو تعاون بھی بھیجتے، اور اس کے رسالوں ''تعمیر حیات''، ''الرائد''، ''البعث الاسلامی'' اور حضرت مولاناؒ کی کتابوں سے استفادہ کے لیے رقوم کی فراہمی بھی کرتے، مزید زکوۃ کی بھی اچھی رقم ندوۃ العلماء کے لیے بھیجنے کا اہتمام کرتے اور دارالعلوم کی ترقی کی فکر کرتے، جیسے انھیں اپنے خاندان کی سرپرستی والے مدارس واداراوں کی فکر تھی۔

محمد نورولی کتابوں کے مطالعہ کے خود بھی بڑے شائق تھے، خاص طور پر مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی تحریروں اور مضامین سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے، خاندان میں ان کے بڑے الحاج عبدالقادر نورولی صاحب زیادہ نمایاں تھے، اور ان کا مستقر برابر جدہ میں تھا، اور شارع قابل میں ان کی کئی منزلہ عمارت تھی، جس کے زمینی حصہ میں دکان تھی اور اوپر کی منزلوں میں خاندان کے افراد اور مہمانوں کے لیے جگہیں تھیں، یکے بعد دیگرے ان کے خاندان کے افراد جو مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور جدہ میں مقیم ہیں، وفات پاتے گئے، آخر میں ان کی وفات کی خبر ملی جو ہم سب کے لیے رنجدہ تھی اور ایک محترم فرد خاندان کے حادثۂ وفات کی طرح سنی گئی، مگر مکہ معظمہ میں اور ماہ مبارک میں وفات کا پیش آنا اور پھر رمضان میں نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ اور جنۃ المعلاۃ میں تدفین، یہ سب باتیں ان کے لیے ایک ساتھ جمع ہوگئیں جو ان کے لیے بڑی شرف وسعادت کی بھی بات ہے، ان کے صاحبزادہ قاری اسماعیل نورولی قرآن مجید کے نہ صرف جید حافظ وقاری ہیں بلکہ لوگوں میں اس کی اشاعت کا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور خادم الحرمین الشریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز کی طرف سے مملکت میں منعقد ہونے والے قرآنی مسابقات میں جج بھی بنتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

فیضان سیرت

پُرامن بقائے باہم کے لیے معاہدہ

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

● ....مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

اسلام امن کا داعی اور محرک ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو جو سب سے بڑا تحفہ ملا وہ انسانیت کی قدر و قیمت کا حقیقی شعور ہے، آپؐ کے مثالی کردار نے باہمی زندگی کو نفرت، حسد، عداوت اور شکر رنجیوں کے دلدل سے نکال کر محبت، الفت، رواداری، مروت، سیر چشمی اور بلند کرداری کی چوٹی پر پہونچا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرامن بقائے باہم کا مؤثر درس دیا، وہ قوم جس کی زندگی عناد سے عبارت تھی، جس کا طرۂ امتیاز کبر ونخوت و پندار کو ہر ممکن طریقے سے فروغ دینا تھا، دوسروں کی تذلیل وتوہین جس کا قومی مزاج تھا، اس قوم کے زندگی کے متعلق نقطۂ نگاہ کو آپؐ نے حکمت وبصیرت کے ساتھ یکسر بدل دیا، لہٰذا ان کی اخلاقی زندگی میں انتقام کے بجائے عفو وکرم، غرور نفس کی جگہ عجز وانکساری، قتل وغارت کی جگہ امن وآشتی اور ایک خدا کی بندگی اور آخرت میں جوابدہی کے گہرے شعور نے ان کی زندگی کو معنویت عطا کی اور وہ اپنے پندار کے صنم کدہ کو توڑنے میں کامیاب ہوگئے اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ آہستہ آہستہ تاریکیوں سے نکل کر روشنی کی طرف آرہے ہیں، وہ جنگ جو متحارب قبائل کی سطح سے بلند ہوکر ایک قوم و ملت اور جماعت بن گئے ہیں وہ قوم باہمی رنجشوں کو دور کرکے محبت آشنا ہوگئی، ہمدردی، بہی خواہی ان کا شعار بن گیا، اس عظیم تبدیلی کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پرامن بقائے باہم کی سوغات عام کرنے کے لیے جنگ جویانہ روش رکھنے والے قبائل سے معاہدے کیے تا کہ بقائے باہم کی معنویت اجاگر ہوسکے، بقائے امن سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکیمانہ سیاست کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ جب ۸ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو آپؐ کے سامنے وہ لوگ آئے جنہوں نے آپؐ اور آپؐ کے جاں نثاروں ساتھیوں کو برابر تیرہ سال تک ستایا تھا لیکن جب وہ آپؐ کے سامنے لائے گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تم سے وہی سلوک کرنے والا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ: آج کے دن میری جانب سے تم پر کوئی سرزنش نہیں ہے، اللہ تمہارا قصور معاف فرمائے، وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو"۔

نجران یمن کی سبز پوش پہاڑیوں سے گھرا ہوا زرخیز علاقہ جہاں عیسائیوں کی غالب آبادی تھی، مدینہ منورہ میں ان کا وفد آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استقبال کیا اور اسلام کو سمجھنے کا موقعہ دیا، نہ ان پر کوئی دباؤ ڈالا اور نہ ہی دھمکی دی بلکہ ان کی خواہش کے مطابق وہ معاہدہ کیا جس میں یہ دفعات شامل تھیں:

۱-ہرگز ان (عیسائیوں) کو رسوا نہیں کیا جائے گا۔

۲-انہیں فوجی خدمات انجام دینے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

۳-ان پر صرف عدل وانصاف کی حکمرانی ہوگی۔

۴-ان کا مال ودولت، ان کا مذہب اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے گی۔

قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ نے اس بات کو واضح کردیا کہ جنگ وخونریزی سے بچنے کے لیے مسلمان دوسری قوموں سے امن کا معاہدہ کرسکتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ انسان کو پرامن بقائے باہمی کا پہلا قانون اور مؤثر درس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ مسلم اور غیر مسلم کے باہمی تعلقات بنیادی طور پر جنگ پر نہیں امن پر مبنی ہیں، جنگ صرف ایک عارضی صورت ہے جسے صرف اس وقت روا رکھا گیا ہے جب مسلمان جارحیت کا شکار بن جائیں، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نیز دوسرے فقہاء کے یہاں جنگ سبب کفر یا اسلام کا انکار نہیں بلکہ جارحیت ہے، دوسرے یہ کہ جنگ کا مقصد جارحیت اور فتنہ وفساد کو روکنا ہے، تیسرے یہ کہ مسلمان دوسری امن پسند قوموں کے ساتھ امن اور تاجنگ معاہدے کرسکتے ہیں، لیکن معاہدہ انصاف، اخوت اور اخلاقی اصولوں پر ہونا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ یہ معاہدے کامیاب رہے اور عام خوف و ہراس کے بجائے امن وسکون کی فضا میں زندگی بسر کرنے لگے، اضطراب اور بدامنی کا دور جو

تقریباً فتح مکہ تک جاری رہا اپنے اختتام کو پہونچا، حجاز میں بدامنی کا عالم یہ تھا کہ آدمی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک سفر کرتا ہوا ڈرتا تھا، خانہ کعبہ کے علاوہ ہرجگہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا خطرہ موجود تھا، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

''ہم نے ان کے لیے حرم کو دارالامن بنایا، اس کے باہر بدامنی کا یہ عالم ہے کہ حرم کے چاروں طرف سے آدمی اچک لیے جاتے تھے''۔ [عنکبوت]

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکیمانہ اور دوررس سیاست اور سعی پیہم سے پھر وہ وقت آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی پیش گوئی پوری ہوئی، آپؐ نے فرمایا تھا:

''ایک وقت آئے گا جب صنعاء ویمن سے ایک محمل نشیں خاتون تنہا سفر کرے گی اور خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا''۔

چنانچہ ایسا زمانہ آیا۔ ان نبوی معاہدوں کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ ان میں اخلاقی روح کام کرتی تھی اور زندگی کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے نقطۂ نظر کو بدل دیا تھا لیکن ان معاہدوں کے برعکس جب کبھی تاریخ میں فاتح قوموں نے خوف خدا اور اخلاقی قدروں سے بے نیاز ہوکر مفتوح قوموں پر اپنے معاہدے ٹھونسے تو وہ ایک دوسری خوفناک جنگ کا موجب بنے۔

صلح حدیبیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب سے بڑے دشمن سے وہ تاریخی معاہدہ کیا جسے قرآن پاک نے فتح مبین قرار دیا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ کردار کو خراج پیش کرتے ہوئے سوئیڈن کے معروف مستشرق ٹورانڈرے Tor Andre لکھتے ہیں:

''ضبط نفس جس کا مظاہرہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کیا ایسے ہی ایک بلند نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے غیر ضروری امور پر ذاتی توہین کو برداشت کرنے کا حوصلہ اور ہمت، یہ صفات بتاتی ہیں کہ آپؐ بے مثال اور منفرد اہلیت کے حامل تھے، واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کی سی ذہنی برتری رکھنے والا انسان زمام کار ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے خواہ اسے کبھی لمحہ بھر کے لیے مجبوراً جھکنا ہی کیوں نہ پڑے''۔

مسلمانوں میں اخوت وبھائی چارہ کے رشتوں کو مستحکم کرنے اور بدامنی وخونریزی کو روکنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدے مرتب کیے وہ تاریخ کے ایسے انوکھے معاہدے ہیں جن میں سیاست اور اخلاق دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، ان سے امن وآشتی کے لیے کام کرنے والوں کو ہمیشہ نیا عزم وحوصلہ ملتا رہے گا، اور تاریک فضاؤں کو روشنی کی تنویر حاصل ہوتی رہے گی، کسی بھی سماج کے پروان چڑھنے اور ہمہ گیر ترقی کرنے کے لیے باہمی انس ومحبت کے ساتھ ایثار وقربانی، حسن انسجام اور یگانگت کی ضرورت ہوتی ہے، اس اسپرٹ کو پیدا کرنے کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہونچتے ہی حضرات انصارؓ سے جو معاہدہ کیا وہ اس روح کو مہمیز کرنے والا اور معاشرتی حسن وتجمل میں اضافہ کا باعث ہے، باہمی اخوت کے مضبوط بندھن میں دلوں کو جوڑنے اور محبت الفت ومساوات وہمدردی کا پاکیزہ ومقدس رشتہ کی آبیاری کا مشاہدہ اس سے بہتر انداز میں چرخ نیلگوں نے کبھی نہیں کیا ہوگا۔

☆☆☆☆☆

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی

اور ہندی ترجمہ قرآن مجید کا پیغام

از - (مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نومسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے۔ جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ مفتی محمد سرور فاروقی ندوی نے دعوت سے متعلق ہندی، اردو، عربی، انگریزی میں 200 سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں جنہیں درج ذیل پتہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر: 0998449015, 09919042879

اصلاح ودعوت

صحت اعمال اخلاص سے وابستہ ہے!

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

آپ اللہ کی مدد اور نصرت کے لیے لگے ہوئے ہیں، اور یہ انتخاب گویا کہ ہم نے خود کیا ہے، لیکن حقیقۃً خدا نے کیا ہے، اور خدا نے یہ انتخاب نہ کیا ہوتا تو ہم لوگ اس میں لگ ہی نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے جیسے نہ جانے کتنے لوگ جو اس میں لگے ہوئے نہیں ہیں، اور خدمت میں بھی علم دین کی خدمت سب سے اونچی سب سے بڑی بات ہے، علم کا جو مقام و مرتبہ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے دین کی خدمت علم کے ذریعہ سے سب سے اونچی بات ہے۔

علم اور قرآن لازم ملزوم ہیں

جہاں تک علم کا تعلق ہے، اس کے بارے میں تو خود قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، خود قرآن مجید سراپا علم ہی ہے، اسی لیے وہ پڑھایا جاتا ہے، قرآن کہتے ہی اس کو ہیں، جو بہت پڑھی جانے والی کتاب ہو، اور اس پڑھی جانے والی کتاب کے اوصاف خود کتاب نے بیان کئے ہیں، اور بتایا ہے کہ ہمارے اندر کیا کیا ہے؟ اور اس کے ذریعہ سے ہم کیا کیا کر سکتے ہیں؟ کیونکہ علم اور قرآن دونوں لازم ملزوم ہیں، جو علم قرآن سے وابستہ نہیں وہ علم نہیں، اور جس علم کو قرآن مجید سند دے دے، تو جس درجہ کی سند دے گا، اس درجہ کا وہ علم جیسے ہمارے مدرسہ میں بھی ثانویہ ہے، اگر ثانویہ کی سند دے گا، تو ثانویہ کا علم ہے، یعنی ثانوی علم ہے، اگر عالیہ کی سند دے گا، تو عالی علم ہے، اور اس سے بڑھ کر کوئی سند تخصص کی دے گا، تو تخصص کا علم ہے، عظمت والا علم ہے، تو قرآن مجید تو خود سراپا ایک علم ہے، اور علم سے وابستہ لوگوں کو سند بھی دیتا ہے، تو جتنے علوم وفنون دنیا میں ہیں ان سب کو بارگاہ قرآنی میں پیش کیا جائے گا پھر قرآن بتائے گا کون سا علم علم ہے؟ اور کس درجہ کا ہے؟ اور قرآن کا جو فیصلہ ہوتا ہے، وہ آخری فیصلہ ہوتا ہے، اس لیے قرآن ہی اصل حکم ہے، اصل فیصلہ کرنے والا ہے۔

قرآن سے جڑنے کے مختلف درجات ہیں

آپ کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست قرآن مجید سے جوڑا ہے، اس براہ راست جوڑنے میں بھی درجات مختلف ہیں، کوئی اردو پڑھاتا ہے، مدرسہ میں رہ کر، کوئی فارسی پڑھاتا ہے، کوئی انگریزی پڑھاتا ہے، زبانیں سب اللہ کی ہیں، لیکن یہاں پڑھانے والے خاص طور سے اللہ سے جڑے ہوئے ہیں، کیونکہ قرآن مجید جو ہے ایک ہی آیت کی وجہ سے بتا دیتا ہے، فارسی، انگریزی اردو یہ سب اللہ کی زبانیں ہیں، انگریزی زبان انگریز کی نہیں ہیں، اور ہندی زبان ہندوستانیوں کی نہیں ہے، اور اردو مسلمانوں کی نہیں ہے، بلکہ ساری زبانیں اللہ کی ہیں، اور اللہ کی اس میں نشانیاں ہیں، تو جس طرح حمد ومنقبت عربی میں ہے اردو میں ہے، فارسی میں ہے، ایسے ہی تمام زبانیں منتظر ہیں، کہ اس میں بھی اللہ کی حمد ومنقبت ہو، اور رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی، تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس طرح سے جوڑا ہے تو اب اس میں بھی درجے ہیں، تو ظاہر ہے قرآن شریف کو براہ راست پڑھا رہا ہے، حدیث شریف کو براہ راست پڑھا رہا ہے، اس کا درجہ بلند ہے اور جو خالص عربی پڑھا رہا ہے اس کے بعد اس کا درجہ ہے، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ ہے لیکن سب ہیں ایک ہی کشتی کے سوار، اور سب ہیں قرآن سے وابستہ اور حدیث سے وابستہ، اور دینی علم کی خدمت سے وابستہ، اور اس کے لیے کوشش کرنے سے وابستہ۔

کہیں کوئی جھول نہ رہ جائے

اللہ تعالیٰ نے جب ہم کو اور آپ کو اس سے جوڑ دیا ہے اور ہمارا اس کے لیے انتخاب کرلیا ہے، تو ہم کو بھی چاہیے کہ جس سے جڑے ہیں، وہ کس کے لیے جڑے ہیں، یہ بھی معلوم ہونا چاہیے بسا اوقات یہ تو ہوتا ہے، جڑ تو گئے ہم عربی سے، اور عربی دینی علوم سے، لیکن یہ کہ کس کے لیے جڑے ہیں یہ مس ہوجاتا ہے، جیسے بعض چیزیں رہ جاتی ہیں، تو پورا نظام مکمل نہیں ہو پاتا، کہیں پر کوئی چیز مس ہو رہی ہے، یہ کہتے ہیں کوئی بناتا ہے کوئی چیز، کوئی ریڈیو بنا کرلایا کوئی کچھ بنا کرلایا، تو پکڑ نہیں رہا ہے، تو غور کرنے والے غور کرتے ہیں، اور کہتے ہیں، کوئی چیز رہ گئی ہے، کوئی پرزہ رہ گیا ہے، کہیں پر کوئی کمی رہ گئی ہے، ہمارے یہاں ایک دوست ہیں وہ یہ کرتے ہیں، کہ جو چھتیں پڑتی ہیں تو یہ ٹپکنے لگتی ہیں، نہ ٹپکے اس کے لیے وہ سیلنگ لگاتے ہیں، تو کہنے لگے ایک دفعہ میرا مزا آ گیا ہم نے کہا کیا؟ کہنے لگے ایک جگہ بہت بڑی عمارت بنی ہوئی تھی، اس کی چھت ٹپکنے لگی، تو بڑے بڑے انجینئر فیل ہوگئے، وہ انجینئر نہیں تھے ہمارے دوست، دماغ چلتا ہے بہت، اس کام میں لگے ہوئے ہیں، بہت دنوں سے، تو آج وہ انجینئروں پر فائق ہوجاتے ہیں، تو جن کی چھت تھی انہوں نے یہ کہا اگر صرف میری چھت کو ایسا کردے کہ نہ ٹپکے، تو صرف ایسا کرنے کے میں ساٹھ ہزار دوں گا، تو سب لگے ہوئے تھے انجینئر بڑے بڑے، پرانی بات ہے، دس پندرہ سال پرانی، زیادہ ہی ہوگئی، تو کہنے لگے میں نے بہت دیکھا سوچا غور کیا کہنے لگے میرے دل میں ایک

بات یادآئی، خرچا اس میں دس پندرہ ہزار کا، لیکن ہم نے کبھار سک لیناہی پڑتا، جو چیز مس ہوگئی ہے، اس کو ٹھیک کرنے کے لیے رسک لیناپڑتا ہے، تو انہوں نے کہا بورے لائیے کچھ، اور اس کو انہوں نے تر بتر کیا، اور پھر اس کی لیپ لگائی، اور پھر جو کیا وہ تو نہیں معلوم، مطلب یہ ہے کہ اس کے کرنے سے بند ہوگیا، اور پانی جو بند ہوگیا، تو ساٹھ ہزار مل گئے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

ضرورت اخلاص کی ہے

ہمارا جو نظام ہے یہ پانی جو بھر رہا ہے، اس کو بند کرنے کی ضرورت ہے، جس وقت بند ہوجائے گا، وہ اس وقت چھت جو ہے وہ کام کی ہوجائے گی، ہے تو چھت لیکن ادھر ابھی ٹپکنے لگے، تو ادھر تھوڑی دیر کچھ لوگ بیٹھے ہوتے ہیں، اور پانی ٹپک رہا ہے، پھر ادھر ہونے لگا ادھر ہوتے رہتے ہیں، لیکن اگر پوری چھت صحیح ہوجائے، تو پھر کوئی پریشانی نہیں ہوگی، ٹینشن ختم ہوجائے گا، تو کہیں نہ کہیں انفرادی بھی کمی ہے، اجتماعی بھی کمی ہے، سارے مدرسوں میں یہی ہو رہا ہے، وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنی کمی کو دور کرنے کی فکر نہیں کرتے، اور بات یہ ہے کہ جس کا کام ہے اس کے لیے نہیں کر رہے ہیں، کام ہے یہ اس کا، لیکن کر رہے ہیں کسی اور کے لیے، تو کیا ہوگا؟ یہ تو بڑی چیزیں ہیں، آپ کے والد صاحب آپ کو کسی کام کے لیے بھیجیں، اور کہیں کہ جلدی کر کے آجانا، اور آپ دوسرے کام میں لگ جائیں، یا وہی کام آپ دوسرے کی علیست سے کر کے اور اس کے پاس چلے جائیں، دیر لگے تو کیا ہوگا، والد صاحب کتنا ناراض ہوں گے، بے وقوف آدمی اور آپ کہیں ہمارا دوست آگیا تھا، اس کا کام کرنے لگا تھا، یا ایسے ہی اس سے نیچے درجہ کا آدمی، والد صاحب ایک جھاپڑ ماریں گے کھینچ کے، بد تمیز کہیں کے، اس سے کیا لینا دینا تھا، میرا کام پہلے کرنا چاہیے تھا، یہاں تو پہلے اور بعد کی بات ہے، وہاں تو انہی کا کام ہی ہے، (اللہ کا) اور ان پر قیاس کیا ہی نہیں جاسکتا، ان کا کام ان کے لیے کریں، تو آپ دیکھیں گے فوراً فرق آنا شروع ہوجائے گا۔

اصلاح بتدریج ہوتی ہے

یہ چیز ظاہر ہے بغیر یاد دہانی کے نہیں ہوگی، بار بار توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کی اصلاح ایک دم سے نہیں ہوتی ہے، آہستہ آہستہ ہوتی ہے، یوں سمجھ لیں پلاسٹک سرجری ہے، پلاسٹک سرجری یہ ہے پہلے ایک دفعہ اس کو ٹھیک کرلیں، پھوڑے پھنسی ہوں، تو اس کو ٹھیک کرلیں، پھر اس کے بعد اس پر لیپ لگاتے رہیں، پھر دوسری جگہ سے کھال نکال کر اس پر چپکاتے ہیں، اور اس کو سڈول کرتے ہیں، برابر، اس میں محنت بہت کرنی پڑتی ہے، پھر آخر میں ویسے ہی ہو، جاتی ہے جیسے پہلے تھی، ایسے ہی یہ کام بھی ہے، یہ کام یہ نہیں ہے کہ پہلے ہی دن میں کرلیا، برابر کوشش میں ہم سب لگے رہیں، جھٹکے آئیں تو اس کو جھٹک دیں، جھٹکے غیر کے آجائیں گے۔

ہمارے اعمال، اخلاص یا ریاکاری؟

جہاں اپنے لیے کرنا ہے اپنی عزت کے لیے کرنا ہے، اپنی شہرت کے لیے کرنا ہے، اپنا نام ہو اس لیے کر رہے ہیں، ہمارے ماننے والے بڑھ جائیں، اس لیے کر رہے ہیں، یہ سب غیر اللہ ہے، صرف اللہ کے لیے کریں، جب اللہ کے لیے کرنے کی مشق ہوجائے گی، ۹۹ رفیصد مسئلے ختم ہوجائیں گے، ایک رہ جاتا ہے، کیونکہ دنیا کے سارے اسباب بھی جس طرح اسباب کو برتنا چاہیے، ویسے ہی برتنا چاہیے، اس کے نہ برتنے سے بھی گڑ بڑ ہوتا ہے، مگر صرف وہ ایک پرسنڈ ہے، اصل تو سارا مسئلہ اسی کا ہے، کہیں پر اگر یہ سب باتیں ہوں، تو غیر اللہ کے لیے کام ہو رہا ہے، اس کی وجہ سے یہ سارے مسئلے ہیں، پڑھایا غیر اللہ کے لیے جارہا ہے، چندہ غیر اللہ کے لیے کیے جارہے ہیں، آپس کے تعلقات غیر اللہ کے لیے رکھے جارہے ہیں، تو یہ سب چیزیں غیر اللہ کے لیے ہوگئیں، تو یہ سب چیزیں ہونی ہی ہونی ہیں، اور چونکہ اس کا تعلق دل سے ہے، دل کو اللہ تعالیٰ نے چھپا کر رکھا ہے، آدمی زبان سے کہتا ہے، نہیں میں تو اللہ کے لیے کر رہا ہوں، اور دل اندر کہہ رہا ہے جھوٹ بول رہا ہے، بالکل کان لگا کے سن لیجئے اندر سے کسی وقت بھی، سامنے آدمی کہتا ہے نہیں میں تو اللہ کے لیے کر رہا ہوں، اور دل اندر کہتا ہے جھوٹ بول رہا ہے، غور کرلے، ذرا سا، تو کہتا ہے چپ رہ، اور زبان اس کے خلاف بولتی ہے، اور اندر دل بڑی مشکل سے بنتا ہے، دل پارے کی طرح ہے، اسی لیے دل کا نام رکھا ہی گیا ہے قلب، قلب یعنی ینقلب جو پلٹتا ہے، اب ظاہر ہے پلٹنا چھوڑ دے، الٹنا چھوڑ دے، اور راہ استقامت پر لگ جائے، بڑی محنت ہے، اور اس کے لیے اس کو بہت تیار کرنا پڑتا ہے، اور تیار کرنے والوں کے پاس جانا پڑتا ہے، اور وہ تنبیہ کرتے ہیں، تنبیہ کو قبول کرنا پڑتا ہے وہ بتاتے ہیں، اس کے مطابق کرنا پڑتا ہے، جو راہ دکھاتے ہیں اس پر چلنا پڑتا ہے، تب جاکے وہ دل بنتا ہے، لیکن جب دل بن جاتا ہے، تو کیا کہنے۔

کمال اور اعتدال لازم ملزوم ہیں

ہمارے مولانا محمد احمد صاحبؒ نے فرمایا تھا:

اب نہ افراط باقی نہ تفریط ہے
عشق کامل ہوا معتدل ہوگیا

تو جب وہ کمال کے درجہ کو پہونچتا ہے، تو اعتدال آجاتا ہے، اور جب اعتدال پر آتا ہے، تو کمال آتا ہے، کمال اور اعتدال یہ لازم ملزوم ہیں، جو کمال پر جائے گا وہ اعتدال پر آئے گا، جو اعتدال پر رہے گا، وہ کمال پر آئے گا، تو وہ دل کامل ہوجاتا ہے، اور پھر اس کو برا نہیں لگتا، اس کا سوچنے کا ڈھنگ بدل جاتا ہے، اور اس کے جذبات بدل جاتے ہیں، اس کا طریقۂ کار

بدل جاتا ہے، طریقۂ نشست و برخاست بدل جاتا ہے، لیکن بات وہی ہے، پہلے خود فکر ہو، کہ ہم ٹھیک کریں، اور پھر ٹھیک کرنے والوں سے رابطہ ہو، کہ جو ہم ٹھیک نہ کرسکیں وہ دوسروں کو دکھائیں، اور دونوں باتیں نہیں ہوں گی نہ ہم کو فکر ہے ٹھیک کرنے کی اور نہ جو بنانے والے ہیں ان کے پاس جانے کی فکر ہوتی ہے، تو کیا ہوگا وہی ہوگا جو ہورہا ہے، ہر جگہ ہورہا ہے۔

ہر کام کی ایک ترتیب ہے

بات یہی ہے کہ فکر ہی نہیں ہے، چھوٹا موٹا جیسے کام ہوتا ہے نا گھر کا، گھر والے کرلیتے ہیں، لیکن جب بڑا کام ہوتا ہے، تو کاریگر بلاتے ہیں، بہت بڑا ہوتا ہے، تو انجینئر سے مشورہ لینا پڑتا ہے، یہ ترتیب ہر جگہ ہے، ایسے ہی چھوٹے موٹے معاملات ہیں، اس کو خود ٹھیک کرلیں، لیکن جو اس سے بڑا ہے، اس کو آپس کے مشورہ سے ٹھیک کرلیں، لیکن پھر اس سے بڑا ہو تو پھر جو انجینئر ہے ماہر ہے، طبیب ہے، اس کے پاس جانا پڑے گا، چھوٹا موٹا مرض ہے معمولی ڈاکٹر سے ہوجائے گا، اس سے بڑا ہے تو اس سے بڑا ڈاکٹر، اس سے بڑا ہے تو اس سے بڑا چیک اپ کرایا جائے گا، تو بڑ ڈاکٹر جو ہوتا ہے، وہ زیادہ دوائی نہیں دیتا، ایک گولی میں کام چلا دیتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے، کہاں پانی بھر رہا ہے؟ ہمارے یہاں موٹر لگا ہوا ہے، پائپ میں پانی اوپر نہیں چڑھ رہا تھا، بڑے بڑے موٹروں والے آئے، کسی کو پلے ہی نہیں پڑ رہا تھا، کچھ لوگ ایک بڑے میاں کو لے آئے پتہ نہیں کہاں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کے، میرے سامنے کی بات ہے، انہوں نے غور کیا ذرا سا یوں یوں کہنے لگے، تا گالائیے، اور بس ایک ڈبری کھولی انہوں نے اور یوں کردیا، کس بھی نہیں پارہے تھے، بوڑھے تھے، کہا کس واس کو، کس دیا، بولے بٹن دبایئے، ایک دم پانی چڑھ جائے گا، معلوم ہوا پندرہ دن سے سب پریشان تھے، جوج جوج گئے، بڑے بڑے انجینئر لائے، کسی کی سمجھ میں نہیں آیا، اور ایک تجربہ کار آدمی کو لائے، انجینئر وہ بھی تھے، پڑھے لکھے تھے، مگر انہوں نے صرف تا گا لگا دیا۔

پیالی میں طوفان

جو بڑے ڈاکٹر ہوتے ہیں انہوں نے بس ایک گولی دے دی کام چل گیا، اور جو چھوٹے ہوتے ہیں وہ ہنگامہ کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے طوفان کھڑا ہے کچھ بھی نہیں ہے، جیسے مولانا عبداللہ عباس صاحب نے کہا ثورۃ فی فنجان، کہ پیالی میں طوفان آگیا، وہی ہوتا رہتا ہے، یہ سب چھٹ بھئیوں کی باتیں ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے، لیکن بات وہی کہ اصول کے مطابق چلے آدمی، اصول بھی سمجھنے چاہئیں، اس کے لیے اس سلسلہ کی کتابیں ہیں، وہ بھی پڑھنی چاہئیں، سب کچھ معلوم ہوجائے گا، حضرت معاویہؓ نے غالباً حضرت عائشہ سے پوچھا، تو انہوں نے کہا تھا لوگوں کی کمزوریاں مت پوچھا کرو، لا تتبع عورات الناس، فان تبعتهم احطاك، اگر تم ان کی چھوٹی موٹی باتوں پر لگے رہوگے، تو اس سے فساد پھیل جائے گا، نظر انداز کرو، اصلاح کی غرض سے، کبھی تنہائی میں کچھ کہا جائے، لیکن پہلے اپنے کو ٹٹول لیں، اصلاحاً کہہ رہا ہے، یا اس کو نیچا دکھانے کے لیے، تو بالکل نہ بولے، اور ٹال جائے، اور پہلے اپنی اصلاح کرلے، اور جب دل درست ہوجائے، تو اس کی اصلاح کرے۔

اکابر جیسا مزاج ہو

جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، اسی لیے ان کے کہنے سے لوگوں کو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی، الا یہ ہے کوئی بہت برا ہو، تو ظاہر ہے کہ حضرت تھانویؒ بہت پکڑتے تھے، رگڑتے تھے وہ تو اس وقت بدنام تھے، پٹائی بھی کردیتے تھے، ایک صاحب ایک مرتبہ بیعت ہونے کے لیے آئے، اور حضرت تھانوی نے فرمایا کیوں آئے ہو؟ کہا آیا ہوں بس ایسے ہی، حضرت تھانوی کو برا لگا، ان کے یہاں تو واضح بات چاہیے کہ کیوں آئے؟ پھر حضرت تھانوی نے ذرا زور سے پوچھا بتاتے نہیں ہو کیوں آئے؟ کہا بیعت ہونے آیا ہوں، کہا پہلے سے آپ نے رابطہ کیوں نہیں کیا تھا، ایسے ہی چلے آئے میرے یہاں جو اصول ہیں، کہا حضرت بیعت تو ہونا ہی ہے، حضرت تھانوی نے کہا اٹھو یہاں سے جاؤ، اور اس کے بعد پھر بھی بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت تھانوی نے کہا اٹھتے ہو کہ نہیں اٹھتے، پھر بھی بیٹھے رہے، تو حضرت تھانوی نے ڈنڈا اٹھایا، ابھی سر پر مارتا ہوں، بھاگ یہاں سے، بیچارہ نکل گیا وہ، تو اب یہ عمل جو ہے، حضرت تھانوی نے جو کیا دوسرا دیکھنے والا دیکھے گا، تو سمجھے گا پتہ نہیں یہ کیا کیا، لیکن حضرت تھانوی نے قسم کھا کر کہا کہ میں جس کو بھی مارتا ہوں، اس کو بھی اپنے سے اچھا سمجھتا ہوں، یہ آسان بات تھوڑی ہے، مار رہے ہیں اور اپنے سے اچھا سمجھ رہے ہیں، بہت مشکل سے یہ بات پیدا ہوتی ہے، مگر ہوجاتی ہے، تو آج یہ تو آپ تصور بھی نہیں کرسکتے، جو بات میں کہہ رہا ہوں، اس مقام کو پہونچنا تو بہت دور کی بات ہے، تو یہ حضرات اپنے اعتبار سے کمتر سمجھتے ہیں، لیکن سمجھنا اس کا آسان ہے، مثلاً جیسے میں یہاں بیٹھا ہوں، آپ لوگ تو خود استاد ہیں، لیکن اگر طلبہ بیٹھے ہوں، بعض طلبہ بہت اچھے ہوتے ہیں، بڑے دیندار، پڑھنے میں بھی بہت اچھے ہوتے ہیں، اور چیزوں میں بھی اچھے ہوتے ہیں، لیکن استاد یہ تو نہیں کرتا، کہ ان کو اٹھا کر یہاں بٹھا دے، ایسے ہی اس لائن میں بھی ہے، جو شیخ ہے وہ مجبوراً شیخ ہے، اس کو اجازت ملی ہے، وہاں بیٹھنے کی، اس لیے بیٹھا ہوا ہے، لوگ اس کے پاس آرہے ہیں، تو اب وہ یہ تصور کرلے، کہ جیسے استاد ہوتا ہے، ویسے پڑھا رہا ہے، بہت سے اچھے ہوتے ہیں، لیکن اس کو یہاں نہیں بٹھا سکتا فوراً، ورنہ ”قلب موضوع“ ہوجائے گا، کام نہیں بنے گا، سمجھتا یہ ہے کہ

افضل ہے، لیکن اللہ نے مجھ کو یہاں بٹھادیا ہے، تو اب اگر اس میں کوئی غلط کام دیکھتا ہے، تو اصلاح اس لیے کرتا ہے، تا کہ اور اچھا ہوجائے، اس کو یہ سمجھتا ہے، میں برا ہوں، لیکن جیسے جلاد ہوتا ہے، بادشاہ حکم دیتا ہے کہ مارو، تو وہ تعمیل حکم کرتا ہے، تو یہاں پر بھی جو اس نے قرآن وحدیث میں پڑھا ہے، تربیت کا جو تقاضہ ہے اس کے اعتبار سے ڈانٹ رہا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں، یہ اچھا ہے، ہوسکتا ہے یہ اس سے، بہت اچھا ہو۔

اپنے دائرۂ کار کو پہچانئے

یہاں انتظامیہ میں انتظام واہتمام والوں کو بھی چاہیے کہ اس کا خیال رکھیں، اور بلا وجہ کی روک ٹوک اور بلا وجہ کا تجسس یہ سب معاملات وغیرہ نہ ہوں، اور ہر ایک کو اپنا دائرہ کار سمجھنا چاہیے، اور ہمارے مولانا عبدالحی صاحب بہت کامیاب ناظم تھے ندوہ کے، حضرت مولانا کے والد، انہوں نے لکھا ہے-حیات عبدالحی میں بھی ہے-سب کو اپنا دائرۂ کار سمجھنا چاہیے، اور اپنے دائرۂ کار میں دوسروں سے مشورہ کرلے، اور دوسروں کے دائرۂ کار میں دخل نہ دے، ہم الٹا کرتے ہیں، دوسروں کے دائرۂ کار میں ضرور دخل دیتے ہیں، اور اپنے دائرۂ کار کو بند کرکے رکھ دیتے ہیں، پوچھنا تو بہت دور کی بات، تو پھر اس کا نتیجہ الٹا ہو رہا ہے، تمام موٹی موٹی اصولی باتیں ہیں، اور بھی ہیں، مگر سب یاد نہیں رہیں گی، اس لیے میں موٹی موٹی باتیں کہہ رہا ہوں اب اگر اس میں کسی درجہ بھی عمل ہوجائے، تو انشاء اللہ دیکھئے گا، چند دنوں میں بہار آجائے گی۔

کامیابی کی پہلی منزل اخلاص ہے

مگر بات وہی ہے کہ پہلا مرحلہ تو یہ ہے کہ جس کا کام ہے، اس کے لیے ہونا چاہیے، اللہ کے لیے کام ہو، ہم لوگ سب آخرت کے لیے کررہے ہیں، ہمارے حضرت مولانا ایک مرتبہ افغانستان میں جب جہاد ہو رہا تھا، پرانا والا روس سے، تو حضرت مولانا نے اساتذہ کو بلایا تھا دارالعلوم میں اور کہا، اس وقت سب سے اہم کام تو یہی تھا کہ اللہ ہم کو وہیں قبول فرمالیتا، اور ہر شخص جہاد میں جاتا، سب سے بڑا عمل سب سے اچھا عمل، اللہ کے یہاں مقبول ہے، جنت کا شارٹ کٹ راستہ ہے، لیکن وہاں ہم نہیں جاسکتے ہیں، تو یہاں پر رہ کر اس کے مقام کو پانے کے لیے ہم کو جو کرنا ہے، وہ کرنا ہے، اخلاص سے کام کرنا ہے، اللہ کے لیے کام کرنا ہے، اس لیے کہ اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے، اور یہاں کی کامیابی کی کوئی چیز ہی نہیں ہے، یہاں کی شہرت بھی مل گئی، تو کیا؟ کچھ توڑی دیر کے لیے، آپ اوپر بیٹھ بھی گئے تو کیا، اور تھوڑی دیر لوگوں نے آپ کا نام لے بھی لیا تو کیا؟ وہ کتنی دیر تک، اللہ کی طرف سے جو بات آتی ہے، وہ رہتی ہے، اور جو ہم لوگوں کے کرنے سے ہوگا، وہ ظاہر ہے عارضی ہے، ڈر کر خوف کھا کر گھبرا کر، کچھ لوگوں نے ہم کو مان بھی لیا، تو شیطان کی کوئی پوجا نہیں کرتا، تو جب سورج نکلتا ہے، تو وہاں جا کر کھڑا ہوجاتا ہے، کہ ہمارے ہندوستان کے بہت سے ہندو ڈنڈوت کریں گے، تو میں سمجھ لوں گا، مجھے کررہے ہیں، تو اگر اس طرح سے کوئی اپنے آپ کو منواتا ہے، تو سمجھ لو شیطانی راستہ ہے، اور جو اللہ کے نیک بندوں کا راستہ ہے، وہ تو الگ ہے، خود لوگ چاہیں اس کو دل سے، اور اس کے انداز سے اس کے طرز تخاطب سے، اس کی طرز ادا سے، اور اس کے معاملات سے، لوگ اس قدر نثار ہوں اور خوش ہوں، حضرت تھانویؒ کے ایک خلیفہ تھے، ابتدائی دور کے، ایک علاقہ میں مدرسہ چلاتے تھے، وہاں لوگوں نے الزام لگادیا ان پر، وہ تھے اللہ والے، انہوں نے بس تھیلا اٹھایا اور کہا السلام علیکم، کہا آپ کا مدرسہ آپ کو مبارک، بندہ چلا، نکل گئے دوسرے گاؤں پہونچ گئے، گاؤں والوں کو معلوم ہوا، گاؤں والے سب بھاگ کر گئے، مولانا صاحب آپ کہا جاتے ہیں؟ میں آپ کو جانے نہیں دوں گا، لے کر آئے واپس، تو اس سے کچھ ہوتا نہیں، لیکن اس پر بھی چھوڑ کر چلے گئے، نہیں میں جاتا ہوں، لے جاؤ اپنا مدرسہ، تو اب ظاہر سارے لوگ ان کے پیچھے لگ گئے۔

ہماری راہ کون سی ہے؟

تو اس میں ہم کو خود طے کرنا پڑے گا، کون سا راستہ ہے؟ شیطان کا راستہ ہے، ابلیس کا راستہ ہے، یا اس کے نیک بندوں کا راستہ ہے، اور نیک بندوں پر شیطان کا زور چلتا نہیں ہے، قرآن میں فرمایا گیا ہے، **ان عبادی**، میرے بندے، یہاں نسبت ہے اللہ کی طرف، وہی جو اللہ کے لیے کام کرنے والے ہیں، ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا، اور جو اپنے لیے کرنے والے ہیں تو پھر ظاہر ہے شیطان ان پر ڈورے ڈالتا ہے، بہلاتا رہتا ہے، پھسلاتا رہتا ہے، یہ اس کا کام ہے، اس لیے ہم سب بار بار جائزہ لیں اپنا، اور مشورہ بھی کرتے رہیں آپس میں، مشورہ بھی کریں ملتے رہیں، بار بار سلام کریں، ایک دوسرے سے، اور اس کے ساتھ ساتھ جو اہم بات ہے کہیں پر کہ جس کو بھی انہوں نے سمجھا ہے، مصلح ہے، تو اس سے مشورہ کریں، تو انشاء اللہ ہمارے کام اچھے ہوجائیں گے، بابرکت ہوجائیں گے، اور بابرکت ہونے بھی چاہئیں، اس ملک میں یہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے، ایسے میں ہم بھی اندھیرے والے بن گئے، تو پھر اندھیر ہی اندھیر ہوگا، ہم کو تو اجالا پہنچانا ہے ساری دنیا میں، لیکن سب کے لیے ضروری وہی ہے پہلی بات بنیادی بات، اللہ کے لیے ان کا کام ان کے لیے، ان کا کام ہے اور ان کے لیے ہے، تو ان کے لیے ہی ہونا چاہیے، بس اتنا ہی کرلیں، تو اور چیزیں اور آسان ہوجائیں گی، بس اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

محاسن اسلام

آخری قسط

خدمت خلق کے بعض طریقے

مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی

نکاح وشادی

کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے کے انتظام اور حسب ضرورت چھوٹی موٹی سواری ہی کی طرح شادی کا مسئلہ ہے، جس کا حال تو بڑ کی مثل ہے کہ جتنا سکڑاؤ سکڑتا چلا جائے اور جتنا پھیلاؤ پھیلتا چلا جائے، خیریت وعافیت اس کے اختصار میں ہے یا اعتدال میں۔ایک امیر شخص اپنے بچے بچیوں کی شادی میں وسعت سے کام لیتا ہے، ساتھ ہی کچھ غریب بھائی بہنوں کی مدد بھی کرتا ہے، اس سے بھی بہتر اپنے گھر کی شادیوں کو سادگی پر لانا ہے تاکہ غریب بھائی ہمارے ممنون ہوئے بغیر خود ہی اپنے بچے بچیوں کی شادیاں اس طرح کرسکیں اور احساس کمتری میں بھی مبتلا نہ ہوں اور ہم کو دیکھ کر اور ہماری نقل کرنے میں زیادہ زیر بار ہو کر ترقی کی راہیں اپنے اوپر بند کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

شادی کی ابتدا منگنی اور رشتہ طے کرنے سے ہوتی ہے۔رشتہ کی تلاش بھی ایک اہم مسئلہ ہے، اس لیے اس میں بھی سمجھدار لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے جس پر اجر وثواب کا وعدہ ہے اور قیامت میں بادشاہت کے تاج سے نوازے جانے کی خوش خبری ہے، کسی ضرورت مند لڑکی کے رشتہ کے لگانے میں نزاکت بھی ہے، اس لیے رہنمائی کرنے کے بعد اہتمام سے ان کو ذاتی طور پر تحقیق کی تاکید کی جائے مثلاً تم دونوں سمدھی دو مرتبہ ایک دوسرے کے گھر جاؤ، ایک بار اطلاع کرکے اور ایک بار بلا اطلاع تاکہ پوری حقیقت سامنے آئے۔ایسی باتوں میں استشارہ اور استخارہ دو باتوں کو اہمیت دی گئی ہے، استشارہ اس کے اہل سے مشورہ کرنا، استخارہ اللہ تعالیٰ سے اس میں خیر طلب کرنا۔

شادی کو سادگی سے کرنے کی کوششیں گرچہ کچھ ہو رہی ہیں مگر اکثر بے سود، بلکہ خود اس کے داعی اور محرک ذمہ دار بھی اپنے گھر میں عمل کے وقت فیل ہو جاتے ہیں، کیوں؟ اکثر کا عذر ہے کہ عورتیں نہیں مانتیں یا گھر والے نہیں مانتے یعنی بچے اور عورتیں۔بات یہاں آکر رک جاتی ہے گویا کہ یہ ایک لاینحل مسئلہ ہے، جس کا ہمارے پاس کوئی حل نہیں گویا ہماری یہ مجبوری جائز ہے۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر مسئلہ کا حل ہے تو اس کا بھی حل ہونا چاہیے اور ہے کیا؟ ہم بہت پہلے سے بچوں اور عورتوں کی اس حد تک ذہن سازی کریں کہ صحیح عمل ان کو اچھا معلوم ہونے لگے اور غلط طریقہ نہ یہ کہ برا معلوم ہونے لگے بلکہ اس کی نفرت اور ذلت ذہنوں میں بیٹھ جائے، جس کے لیے گھروں میں اس کی تفہیم، کسی تقریب میں شریک ہونے پر بعد میں اس پر اچھے انداز میں بے لاگ تبصرہ صحیح ہو تو داد وتحسین کے ساتھ برا ہو تو تنقید، تنقیص اور برائیوں کی نشاندہی، وضاحت اور کسی حد تک تذلیل کے ساتھ اس انداز سے مرتکب لوگوں کو معذور سمجھتے ہوئے کام کے غلط ہونے کو سمجھایا جائے۔

عام طور پر جیسے جلسے جلوس میں مردوں تک بات پہنچائی جاتی ہے، اس پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ عورتوں تک بات پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔خود شادی بیاہ کے موقعوں پر بھی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ عورتوں تک پیغام پہنچایا جائے، اگر خوش اسلوبی سے یہ کام نکاح خواں حضرات انجام دینے لگیں تو دین پسند طبقہ کے لوگ جس کی تعداد کم نہیں، اس سے خوش ہوں گے اور ایسے موقع پر آپ کو تلاش کریں گے۔

انسان کی سب سے بڑی خدمت اس کو انسانیت سکھانا اور اس کے معاشی اور روزی روٹی کا اچھا بندوبست کرنا ہے، ہمارے زمانے میں دونوں میں تعلیم لازمی ہے، تعلیم کے بغیر نہ تو انسان میں انسانیت آسکتی ہے، نہ معاش کے اسباب ہی فراہم ہوسکتے ہیں۔آج کل عصری تعلیم کا جو نظام چل رہا ہے، وہ بھلے ہی روزی روٹی کسی حد تک فراہم کردے، مگر انسانیت کی تعلیم میں بالکل کامیاب نہیں ہے اور یہ مسئلہ اتنا واضح ہے کہ عیاں را چہ بیاں۔اس لیے عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کو جوڑنا ضروری ہے، بغیر اسکے مقصد میں کامیابی ممکن نہیں ہے، اس طرح دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کی تعلیم بھی ضروری ہے تاکہ معاشی ترقی کی راہیں بھی کھلی رہیں۔

تعلیم کے مراحل

تعلیم کا ابتدائی مرحلہ صرف شناسی، ابتدائی دینی معلومات اور جنرل نالج کو ہر بچہ کا حق سمجھنا چاہیے بلاتفریق مذہب وملت اور بلاتفریق پیشہ یا ذات برادری، جاروب کشی بلکہ گندی نالیوں میں پلاسٹک کی تھیلیاں چن کر اپنا پیٹ بھرنے والے سبھی کے بچے اس پہلے مرحلہ کے حقدار ہیں، ان میں ہندو بھی ہوسکتے ہیں اور مسلمان بھی، کند ذہن بھی ہوسکتے ہیں اور ایسے ذہین اور باصلاحیت بھی کہ جن کو آپ ان کے نکھارنے کے بعد گدڑی کا لعل کہنے پر مجبور ہوں۔

مشہور حدیث "الناس معادن کمعادن الذهب والفضة" جس کا دوسرا جزء ہے:

"خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاسلام اذا فقهوا" جس سے بآسانی یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ تعلیم وتربیت سے محرومی میں وہ شروفساد پھیلانے میں سرداری کرتے ہیں جبکہ تعلیم وتربیت کے بعد یہی خیروبھلائی پھیلانے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

تعلیم کا دوسرا مرحلہ: جو دسویں کلاس یا اس سے کچھ آگے پیچھے شروع ہوتا ہے، بڑی تعداد میں لوگ تعلیم چھوڑ دیتے ہیں، خاص کر مسلمان یا متوسط طبقہ یا اس سے کم درجہ کے لوگ جو کسی بھی مذہب وملت کے ہوں جس کے پس پردہ کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ وہ اسباب جن سے تعلیم میں آگے بڑھنا مشکل ہوتا ہے۔

۱- کند ذہنی یا ابتدائی تعلیم میں عدم پختگی۔

۲- مالی قلت اور تعلیمی اخراجات کا برداشت سے باہر ہونا۔

۳- منزل مقصود (نوکری کے قابل بننے تک) پہنچنے سے مایوسی۔

پہلی قسم والے بچے جو فطری طور پر علم سے مناسبت نہیں رکھتے مگر وہ ہر صلاحیت سے محروم نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ ہنر، تجارت، مزدوری کے بعض کاموں میں ان کی فطری صلاحیت بہت زیادہ ممتاز ثابت ہوتی ہے، ان کو اس مرحلہ میں جس حد تک بھی کامیابی حاصل کرلیں غنیمت جان کر ان کی دلچسپی اور صلاحیت والے کام کی طرف موڑ دیا جائے۔

مالی قلت والے بچوں کو حوصلہ بڑھا کر ماں باپ پر پورا تعلیمی خرچ کا بوجھ ڈالنے کے بجائے خود ان کو بھی اپنی ضرورت کے مطابق آمدنی پیدا کرنے کی راہیں بتائی جائیں مثلاً صبح سویرے کے کچھ کام جیسے اخبار پہنچانے کا کام، مزدوری جو صبح کے وقت یا شام کے وقت کی جاسکتی ہو، مثلاً بڑی سبزی منڈی سے سبزی کی دوکانوں تک سبزی پہونچانا، یا پارٹ ٹائم میں حسب مزاج کام کرنا، ایسے بچوں کی حوصلہ افزائی زبانوں سے، کبھی مالی مدد سے کرکے ان کو سماج کے لیے مفید بنایا جاسکتا ہے۔

آج کل مایوسی کا اثر بچوں پر بہت دیکھا جاتا ہے، اگر صلاحیت والے بچوں کے لیے الگ مضامین کے ٹیوشن کھولے جائیں جس میں اہتمام سے ان مضامین میں پختہ صلاحیت پیدا کی جائے تو کامیابی حاصل ہوتے دیکھ کر ان میں خود ہمت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ آگے بڑھنے لگتے ہیں۔ پھر حسب موقع ومحل ان کو اچھی جگہ شفٹ کرنے میں سفارش وغیرہ کے ذریعہ معین ومددگار بنایا جائے۔

خاص باتیں

۱- ملازمتوں کے نہ ملنے میں یا آگے تعلیم جاری نہ رکھ سکنے میں اگر عام معیار سے کافی زیادہ معیار بنانے کا اہتمام کیا جائے تو ملازمتیں خود ان کو تلاش کرتی ہیں اور اچھے نمبر والے بچوں کو اسکول کالج دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں۔

۲- عام طور پر سرکاری ملازمتوں یا مخصوص طبقہ کے لوگوں میں تعصب بھی ملازمت میں قبول نہ کرنے کا سبب ہوتا ہے، مگر اب جبکہ دنیا بھر کی کمپنیاں ہر ملک میں کام کررہی ہیں، جن میں ہمارا ملک بھی ہے، ان کو تو ذات برادری مذہب نا مذہب سے کوئی مطلب نہیں ہوتا بلکہ اپنی کمپنی کی ترقی مقصود ہوتی ہے، لہٰذا اس میں جو اپنے کو زیادہ کامیاب وممتاز ثابت کرتا ہے اس کو پسند بھی کیا جاتا ہے اور ترقی بھی دی جاتی ہے۔

لائبریری

کتب خانہ ولائبریری مہذب سماج کی بنیادی ترجیحی چیزوں میں سے ہے، اسلامی عہد میں اس وقت جبکہ یورپ جہالت اور اندھیرے میں تھا، اس وقت بھی مسلمانوں کے کتب خانے آباد تھے حتی کہ ذاتی کتب خانوں میں بھی کتابوں کی تعداد ہزاروں بلکہ اس بھی بڑھ کر ہوتی تھی۔

لائبریری میں وہ کتابیں مہیا کی جائیں تو سب کے کام آتی ہیں، طلبہ دینی ہوں یا اسکول کالج کے، سبھی کو مراجع کی کتابوں کی ضرورت پڑتی ہے اور جس کو ہر شخص نہیں خرید سکتا ہے اور جب ایک طالب علم لائبریری میں آتا ہے تو اپنی مطلوبہ کتابوں کے علاوہ دوسری بھی بہت سی کتابیں پڑھتا ہے اور اس سے اس کی شخصیت بنتی ہے۔

کتابوں کا مسئلہ صحبت جیسا ہے، اگر کتابیں اچھی ہیں تو اس کا پڑھنے والے پر اچھا اثر پڑتا ہے، اسی طرح اس کے برعکس، اس لیے ہر قصبہ وشہر میں اچھی کتابوں کی لائبریری ہونی چاہیے، ایک فائدہ اس میں مختلف قوموں کی باہم غلط فہمیاں دور کرنے اور آپس میں میل محبت پیدا کرنے کا بھی لیا جاسکتا ہے، جس سے مختلف قوموں میں دوری ختم ہوکر ایک دوسرے کو سمجھنے کے مواقع پیدا کیے جاسکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

طوبیٰ بکڈپو لکھنؤ
ہمارے یہاں قرآن وحدیث، علمی وادبی، درسی وغیر درسی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور اسکے ملحقہ مدارس کی کتابیں اور لغات مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔
پتہ: طوبیٰ بکڈپو، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ
موبائل نمبر: 9005505629

طلب صادق

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ

تحریر: ابوہلال عسکری ترجمہ: عبدالرشید ندوی راجستھانی

کسی صاحب بصیرت نے فرمایا کہ:

چھ چیزوں کے بغیر علم حاصل نہیں ہوسکتا:

۱- ذہن رسا، ۲- عمر دراز، ۳- بقدر کفایت معاش کا انتظام، ۴- عمل پیہم اور جہد مسلسل، ۵- معلم حاذق، ۶- شوق علم وذوق طلب۔ ان میں سے کوئی چیز معدوم یا ناقص ہوگی تو علم بھی اسی قدر ناقص ہوگا۔

موصوف نے طبعی استعداد کا ذکر نہیں فرمایا، حالانکہ وہ ذہن رسا سے مختلف شے ہے، بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ بعض شعراء ذہین ہوتے ہیں لیکن طباع نہیں ہوتے، وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں میں بدرجہا بہتر ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ فطری استعداد والے شعراء کے مقام ومرتبہ تک نہیں پہنچ پاتے، کیونکہ فطری استعداد عقل کو تقویت دیتی ہے، اور اس کے لیے میدان ہموار کرتی ہے، نظّام کا قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے کہا: اگر میں علم عروض کی طرف توجہ دوں تو دو دن میں اس پر دسترس حاصل کرلوں گا، اخفش کہتے ہیں کہ وہ دو مہینے کی محنت وتوجہ کے بعد بھی اس کے مبادیات سے واقف نہ ہوسکے اور ساکن ومتحرک کے درمیان تمیز نہ کرسکے، طبعی استعداد ہی ہے جو مشکل کو آسان اور دور کو قریب کرتی ہے۔

انہوں نے ذوق وشوق اور علمی حرص کا ذکر فرمایا کیونکہ انسان جب کسی چیز کا شوقین ہوتا ہے، تو اس کو حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتا، اس کی جستجو میں ہمہ تن مصروف ہوجاتا ہے، اس کی عقل اس فن کے معانی کو پوری طرح قبول کرتی ہے، وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں اس پر مرکوز کردیتا ہے اور اس میں کوئی کسر نہیں رکھتا، وہ اس کے لیے راحت کی بجائے تھکن کو ترجیح دیتا ہے، اس لیے کہا گیا کہ طالب علم کو چاہیے کہ وہ اہم علوم سے آغاز کرے اور علم کی اس صنف کو اختیار کرے، جس میں اس کی دلچسپی اور طبعی میلان ہو، کیونکہ علم میں صلاحیت بقدر نشاط پیدا ہوتی ہے اور فن میں دستگاہ توجہ کے مطابق حاصل ہوتی ہے۔

انہوں نے بقدر کفاف روزی اور فکر معاش سے آزادی کا تذکرہ اس لیے کیا کہ تنگیٔ معاش اور روزی کی فکر انسان کو ناکارہ اور لوگوں کا دست نگر بنادیتی ہے جو باعث ذلت وعار ہوتا ہے، فقر وفاقہ سے طبیعت مردہ ہوجاتی ہے اور احساس وخیال کی بالیدگی جاتی رہتی ہے۔

انہوں نے معلم حاذق کا تذکرہ اسباب علم میں اس لیے کیا کہ بسا اوقات استاذ کی تفہیمی صلاحیت کی کمزوری طالب علم کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے، جب استاذ فن تدریس کے اصول سے واقف نہیں ہوتا ہے اور کن امور کو مقدم کرنا ہے اور کن کو مؤخر، اس سے آگاہ نہیں ہوتا ہے تو طالب علم کو اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ جب مقدم کو مؤخر یا مؤخر کو مقدم کردیا جاتا ہے تو تدریس بے فائدہ ہوجاتی ہے اور مضامین طالب علم کے ذہن میں گنجلک ہوجاتے ہیں اور یہ چیز اس کو علم سے دور کردیتی ہے اور جب اس کی بنیاد کمزور ہوجاتی ہے تو پھر وہ عمارت بھی کمزور ہوتی ہے جو اس پر قائم ہوتی ہے۔

ذہن رسا کا ذکر اس لیے کیا کہ یہی ادراک و فہم کا اصل ذریعہ ہے، کند ذہنی اور غباوت علم کو قبول کرنے اور سمجھنے سے مانع ہوتی ہے، غبی طالب علم کو طویل تدریس بھی نفع نہیں پہنچاتی جیسا کہ چٹان مسلسل بارش کے باوجود کاشت کے قابل نہیں ہوسکتی۔

عمل پیہم کا اس لیے ذکر کیا کہ علم کی کوئی حد نہیں نیز اس کے راستے میں رکاوٹیں بے شمار ہیں، زندگی مختصر ہے، لہٰذا اگر طالب علم فراغت اور جوانی کے اوقات کو غنیمت جانتے ہوئے تحصیل علم میں انتھک محنت نہیں کرے گا تو جلد ہی اس کے سامنے رکاوٹیں پیش آجائیں گی اور وہ علم سے محروم اور تہی دامن رہ جائے گا۔

علم انسان کا بہترین رفیق ہے

جب علم تنہائی میں انسان کا انیس ورفیق ہے، پردیس میں اس کا ہمدم وغمخوار ہے، قعر مذلت سے اٹھا کر اوج ثریا پر پہنچانے والا ہے، ضعیف کو قوی، فقیر کو غنی اور گمنام کو نیک نام بنانے والا ہے، تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کو ہر نفیس شے پر ترجیح دی جائے اور عزیز سے عزیز تر سمجھا جائے، جو اس کی قیمت پہچانتا ہے وہ اس بات کا سزاوار ہے کہ اس کی طلب وجستجو میں دل وجان سے لگا رہے تاکہ اس دولت سے بہرہ ور ہو، جس شے کا یہ مقام ہے اس کی طلب میں کوتاہی کرنا کھلا عیب ہے، اس کی تحصیل میں کم ہمتی بڑی محرومی کی بات ہے، جو شخص اس سے پہلو تہی کرتا ہے یا اس میں کوتاہی کرتا ہے اس کو معلوم ہوجانا چاہیے کہ اس نے بڑے خسارے کا سودا کیا ہے، بڑی کم ہمتی کا ثبوت دیا ہے، اسے اپنی نادانی کا اعتراف کرلینا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ وہ عظیم نقصان میں رہا، بڑے فریب کا شکار ہوا، اس نے

اعلیٰ کے بدلہ ادنیٰ کو اختیار کیا اور عمدہ کو چھوڑ کر گھٹیا پر راضی ہو گیا اور یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

علم وحکمت کی جلوہ سامانیاں

مالک بن دینارؒ کا قول نقل کیا گیا ہے: ”میں نے بعض سابقہ کتب میں پڑھا ہے کہ علم وحکمت عزیز کو عزیز تر بنا دیتی ہے، اور غلاموں کو تخت شاہی پر بٹھاتی ہے“، اسی طرح حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ لقمان علیہ السلام کو اپنی رحمتوں سے نوازے کہ وہ ایک حبشی غلام تھے، لیکن حکمت سے ان کا مقام اتنا بلند ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کلام کو قرآن بنا دیا“، اعمشؒ نے فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن سے بلندی عطا فرمائی، اگر قرآن مجید کا علم نہ ہوتا تو میرے سر پر مچھلی کے سالن کا دیگ ہوتا جس کو میں کوفہ کے گلی کوچوں میں بیچتا پھرتا“، یحیٰ بن معینؒ نے فرمایا: ”میں نے اعمش کو دیکھا کہ نہایت متواضع لباس پہنے ہوئے ہیں، فرمانے لگے کہ اگر میں علم حاصل نہ کرتا تو سبزی فروش ہوتا، لوگ مجھ سے خریدنے میں بھی گھن کرتے“، اسی طرح ریاشیؒ نے ایک بھشتی کو دیکھا کہ وہ مشکیزہ اٹھائے ہوئے جا رہا ہے تو فرمانے لگے: ”اگر مجھے علم حاصل نہ ہوتا تو میں بھی ایسا ہی ہوتا کیونکہ ان کے والد ایک بھشتی غلام تھے“، عطاء بن ابی رباحؒ انتہائی بدصورت اور کالے تھے، لیکن ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ: ”جب ہم ان کی مجلس میں ہوتے ان کا رعب ایسا طاری ہوتا کہ سوال کرنے کی ہمت نہ ہوتی، یہاں تک کہ وہ اپنے رخسار پر ہاتھ لگاتے یا کھانستے گویا سوال کرنے کی اجازت ہوتی تب ہم ان کے قریب ہوتے اور سوال کرتے“، مجاہد مکیؒ بھی کالے تھے اور ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے علم سے اتنا اونچا رتبہ دیا کہ فرماتے ہیں: ”ابن عمرؓ اعزاز واکرام میں میری سواری پکڑتے تھے، اور جب میں سوار ہو جاتا تو میرے کپڑے درست فرماتے تھے“، ابولأسود فرماتے ہیں کہ: ”علم سے قیمتی کوئی چیز نہیں ہے، بادشاہ لوگوں پر حکومت کرتے ہیں لیکن علماء بادشاہوں پر حکومت کرتے ہیں“۔

جو چیز غلاموں کو بادشاہوں کے مقام تک پہنچانے والی ہے، تابع کو متبوع کا درجہ دینے والی ہے، خادم کو مخدوم بنانے والی ہے، جس سے ایک ادنیٰ شخص بادشاہوں پر فائق ہو سکتا ہے، وہ اس بات کی مستحق ہے کہ اس میں تنافس کیا جائے اور اس کے حامل پر رشک کیا جائے، اس کی طلب وجستجو میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کی جائے، جو دولت ایسی ہے کہ اس کی وجہ سے عبداللہ بن عمر مجاہدؒ کی خدمت کرتے ہیں جو مکہ کے کالے کلوٹے غلام تھے حالانکہ عبداللہ بن عمرؓ کا زہد وتقویٰ میں جو مقام و مرتبہ ہے، وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، ان کے والد کے شرف ومرتبہ کا کیا پوچھنا کہ جلیل القدر صحابی ہیں، خلیفۂ راشد ہیں، اللہ تعالیٰ نے مشرق ومغرب ان کے زیر نگیں کر دیے ہیں، ان کی حکومت کا سکہ پوری دنیا میں رائج ہے، یقیناً یہ وصف اس قابل ہے کہ عقلمند اس کا حریص ہو۔

اسی جیسا ایک واقعہ ہے کہ عدی بن ارطاۃ امیر مدینہ نے وکیع بن ابی سود سے کہا کہ میرے کپڑے درست کرو، تو وکیع نے بڑے اعتماد سے کہا جناب! آپ نے مجھے یاد دلا دیا ہے کہ میرے خفین تنگ ہیں، آپ اس کو اتارنے میں میری مدد کیجیے، تو عدی ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ بھائی تو اپنے بھائی کی خدمت کرتا ہے، اس میں کوئی عار کی بات نہیں، وکیع نے کہا جب میں معزول ہو جاؤں تو آپ جو چاہیے خدمت لیجیے کوئی حرج نہیں، ایک طرف وکیع کی یہ عزت نفس اور دوسری طرف یہ تواضع کہ حسن بصریؒ جب سوار ہونے لگتے ہیں تو ان کی رکاب تھامتے ہیں۔

راہ علم میں سلف کی قربانیاں

علم کی اسی فضیلت اور بڑائی کے پیش نظر اس کی طلب میں بڑے بڑے شرفاء نے ذلت گوارا کی، بڑے بڑے صاحب وقار لوگوں نے خاکساری اختیار کی، عقل راسخ اور قلب سلیم رکھنے والوں نے اہل علم کے سامنے فروتنی برتی اور زانوئے تلمذ تہہ کیے، اس کی خاطر تکلیفیں برداشت کیں، ناپسندیدہ امور پر صبر کیا، جو قیمتی اور نفیس چیزوں کا طالب ہوتا ہے، وہ اس کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ چیزوں کی قربانی دیتا ہے، ہر طرح کی ذلت وپستی پر راضی ہو جاتا ہے، اس کی مثال یہ واقعہ ہے:

عمر بن شبّہ کہتے ہیں: ہم لوگ علم حاصل کرنے کے لیے اصمعی (ابوسعید عبدالملک بن قریب) کے پاس بیٹھتے تھے، اسی دوران بڑے بڑے اہل شرف حضرات تشریف لاتے، ریاشی (عباس بن الفرج ابوالفضل)، زیادی (ابواسحاق ابراہیم)، مازنی (ابوعثمان)، جرمی (ابوعمر صالح بن اسحاق)، سجستانی (ابوحاتم سہل بن محمد) اور دیگر حضرات دہلیز میں بیٹھ جاتے، جہاں بہت زیادہ مٹی ہوتی، ہوائیں چلتیں، گرد وغبار اڑ کر ہمارے سروں میں داخل ہوتا، ایک دن اصمعی نے ہماری حالت دیکھ کر فرمایا کہ پرانی کہاوت مشہور ہے کہ جب ہوائیں زیادہ چلتی ہیں تو زمین زرخیز ہوتی ہے: "إذا كثرت المؤتفكات زكت الأرض" اس لیے کہ ہواؤں سے دور دراز جگہوں کی مٹی اڑ کر زمین کی طرف منتقل ہوتی ہے، اصمعی نے فرمایا تمہارا شعور بھی اس مٹی سے بالیدگی حاصل کرے گا تو ریاشی نے دھیرے سے کہا اس کمینے کو دیکھو ہمارے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے اور کس طرح ہمارے

ساتھ توہین اور استخفاف کا معاملہ کر رہا ہے۔

اصمعی کے بھتیجے عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: میں نے اپنے چچا سے سنا ہے کہ ایک رات میں بادیہ میں ایک صاحب خیر کا مہمان تھا جو بڑا فیاض اور سخی تھا، ایک رات مجھے بے خوابی کی شکایت ہوگئی، صبح ہوئی تو میں نے اپنے وطن عراق لوٹنے کا عزم مصمم کرلیا، میں اپنے میزبان کے پاس گیا اور عرض کیا کہ میں پردیس میں اکتا گیا ہوں، مجھے اپنے گھر والوں کی یاد ستا رہی ہے کیوں کہ مجھے اس سفر میں کسی بڑے علم کا فائدہ نہیں ہوا، حالانکہ میرے اس سفر اور بادہ پیمائی کا مقصد علمی استفادہ کرنا تھا، انہوں نے بڑے افسوس کا اظہار کیا پھر فوراً کھانا حاضر کیا، میں نے ان کے ساتھ کھانا تناول کیا پھر انہوں نے اپنی بہترین اونٹنی کو تیار کروایا اور اس پر سوار ہوئے، مجھے اپنے پیچھے بٹھایا اور طلوع شمس کے وقت روانہ ہوئے تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جو گدھے پر سوار تھے، انہوں نے ان سے سلام کیا اور کہا بھائی جان! آپ شعر جانتے ہیں یا نثر؟

انہوں نے جواب دیا: دونوں جانتا ہوں، میں نے ان کو اتارا تو انہوں نے ان سے درخواست کی اللہ آپ کو رحمتوں سے نوازے، اس مسافر کا خیال فرما کر چند اشعار سنا دیجیے، آپ کا ان پر بڑا احسان ہوگا، وہ آپ کے اشعار کو یاد کرلیں گے، اور زندگی بھر آپ کا احسان نہیں بھولیں گے، وہ راضی ہوگئے اور انہوں نے چند اشعار پڑھے، جن میں سے چند یہ ہیں:

تعز فإن الصبر بالحر أجمل
وليس على ريب الزمان معوّل
فإن تكن الأيام فينا تبدّلت
ببؤسى ونعمى والحوادث تفعل
فما ليّنت منا قناة صليبة
ولا ذلّلتنا للتي ليس يجمل

ترجمہ: صبر سے کام لو کیونکہ صبر شریف آدمی کو زیب دیتا ہے، حوادث ایام کا تو کوئی بھروسہ نہیں ہے، اگر زمانہ تصرف کرتا ہے، اور حالات بدلتے ہیں، کبھی خوشی کبھی غم، کبھی فراوانی کبھی تنگی کا سامنا ہوتا ہے، تو اس سے ہماری مضبوط ہمت میں کوئی کمزوری نہیں آتی اور یہ چیزیں ہمیں نازیبا امور پر آمادہ نہیں کرتی ہیں۔

اصمعیؒ فرماتے ہیں جب میں نے یہ اشعار سنے تو خدا کی قسم میں اپنے گھر والوں کو بھول گیا، اور غربت کا احساس زائل ہوگیا، فقر و فاقہ اور بدحالی کا خیال جاتا رہا اور مسرت و شادمانی سے جھوم اٹھا، جس شخص کو علم و ادب، اہل و عیال اور مال و دولت سے عزیز نہ ہو، وہ علم میں نمایاں مقام حاصل نہیں کرسکتا۔

دو پیاسے کبھی سیراب نہیں ہوتے

میں عرض کرتا ہوں جو علم اور اس کے مقام سے آشنا ہوگیا، اس کا ذوق طلب کبھی ختم نہیں ہوگا اور وہ تا عمر علم سے آسودہ نہیں ہوگا، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: "منهومان لا يقضي واحد منهما نهمته منهوم في طلب العلم ومنهوم في طلب الدنيا" یعنی دو طالب ایسے ہیں جن کی خواہش و رغبت کبھی پوری نہیں ہوتی، ایک علم کا مشتاق و طالب اور دوسرا مال و دولت کا حریص، (رواہ الطبرانی عن ابن مسعود)

سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک صاحب علم رہتا ہے جب تک وہ سیکھتا رہے، اور جب وہ سیکھنا چھوڑ دیتا ہے تو جاہل مطلق ہوجاتا ہے، میں نے اس کو اپنے اشعار میں نظم کیا ہے:

أحقر نفسي وهي نفس جليلة
تكتنفها من جانبيه الفضائل
أحاول أن تزيد فترتقي
إلى حيث لايسمو إليه المحاول
وإن أنت لم تبغ الزيادة في العلىٰ
فأنت على النقصان منهن حاصل

ترجمہ: میں اپنی ذات کو معمولی سمجھتا ہوں، حالانکہ وہ عظیم ذات ہے جس نے فضائل کا احاطہ کرلیا ہے، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میرے اندر مزید کمال پیدا ہو اور ترقی کرتے کرتے میں وہاں پہنچ جاؤں جہاں کوئی عالی ہمت نہ پہنچ سکے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ اگر آپ بلند مراتب اور اعلیٰ درجات میں پیش رفت نہیں کرتے رہیں گے تو زوال و انحطاط کی طرف مائل ہوجائیں گے۔

ابن المبارکؒ سے کسی نے پوچھا آپ کب تک علم حدیث حاصل کرتے رہیں گے اور حدیثیں لکھتے رہیں گے؟ انہوں نے فرمایا: "ہوسکتا ہے کہ وہ بات جس میں میرا نفع مقدر ہے اب تک میں نے نہ سنی ہو"، سفیانؒ نے فرمایا: "جو شخص جلدی سردار بن جاتا ہے، وہ بہت سارے علم کا نقصان کر بیٹھتا ہے اور جو سرداری کے جال میں نہیں پھنستا وہ طلب و جستجو میں آگے بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے"، شعبیؒ نے فرمایا: "مسروقؒ نے ایک آیت کی خاطر بصرہ کا سفر فرمایا وہاں جاکر پوچھا کہ وہ صاحب کہاں ہیں جو اس کی تفسیر جانتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ وہ شام میں ہیں فوراً رخت سفر باندھا اور شام کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر ان صاحب سے اس کی تفسیر معلوم کی، شعبیؒ کا بیان ہے میں نے علم کی طلب و جستجو میں چہار دانگ عالم میں سفر کرنے والا مسروق سے بڑھ کسی کو نہیں پایا"، سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں: "ایک ایک حدیث کی خاطر کئی کئی رات اور دن مسلسل سفر کرتا تھا"، اربدہ تیمی نے فرمایا: "جب مجھے کسی علاقہ میں علم کا سراغ

لگتا ہے میں وہاں ضرور جاتا ہوں"، ابراہیم بن یحیی فرماتے ہیں: "میں مدینہ میں علم کی خاطر ایسا سرگرداں رہتا تھا کہ جب کوئی پردیسی آتا تو وہ میری طلب اور علمی حرص دیکھ کر سمجھتا تھا کہ میں بھی مسافر اور پردیسی ہوں"، ابن سیرینؒ فرماتے ہیں: "میں کوفہ میں آیا تو میں نے چار ہزار نوجوانوں کو حدیث کا علم حاصل کرتے ہوئے دیکھا، فرماتے ہیں قتادہ مرتے دم تک طالب علم ہی رہے"، رقبہ بن مصقلہؒ نے اعمش سے کہا کہ: "تمہارے پاس آنا باعث ذلت ہے، تمہارے پاس بیٹھنا حسرت وافسوس ہے لیکن مجبوری ہے، تمہاری مثال اس مسہل دوا کی ہے جس کو ناپسندیدگی کے باوجود گوارا کیا جاتا ہے، کیونکہ اس سے نفع اور شفا کی امید ہوتی ہے"، ایک شیخ جب کسی طالب علم کو دیکھتے کہ غیر حاضر ہوتا ہے اور تاخیر کرتا ہے تو فرماتے "من غاب خاب وأكل نصبيه الأصحاب "یعنی جو غائب رہا وہ نامراد رہا اور اس کا حصہ حاضرین اڑا لے گئے، بزرجمہرہ سے پوچھا گیا آپ نے یہ علم کیسے حاصل کیا؟ اس نے کہا: " ببكور كبكور الغراب وحرص كحرص الخنزير وصبر كصبر الحمار" یعنی کوے کی طرح صبح جلدی اٹھ کر پڑھنے سے، خنزیر کی حرص کی طرح علم کی حرص وہوس کرنے سے اور گدھے کی طرح مشقتوں پر صبر کرنے سے، اسی طرح شعبہؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کی حدیثیں اتنی صاف ستھری ہوتی ہیں اس کا کیا راز ہے؟ فرمانے لگے کیونکہ میں نے صبح حلوے اور مالیدہ کا ناشتہ چھوڑا ہے (لترکی العصائد بالغدوات) شریکؒ سے ایک حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بھی ہی فرمایا "هذا ما فاتنا فيه العصائد "یعنی یہ وہ علم ہے جس کے خاطر ہم نے لذیذ و مرغوب کھانا چھوڑا ہے۔

☆☆☆☆☆

سید احمد شہید اکیڈمی کی تازہ پیش کش

بلال عبدالحی حسنی ندوی کے قلم سے

☆ آسان معانی قرآن (اردو)

مختصر حواشی کے ساتھ

....

☆ پوتر قرآن کا سرل اَنواد (ہندی)

قرآن مجید کا آسان، رواں اور سلیس ترجمہ، الفاظ قرآن کی بھرپور رعایت، ضروری اور اہم مقامات کی مختصر وضاحت، زبان وبیان کی خوبیوں سے آراستہ، بلا اختلاف مسلک ومشرب ہر فرد کی بنیادی ضرورت۔

نوٹ: لکھنؤ کے سبھی مکتبوں پر بآسانی دستیاب

☆ قرآنی افادات (اول)

اس مجموعہ میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے قرآنی نکات اور چھوٹی چھوٹی آیتوں کی دلنشیں واچھوتی تشریح کو یکجا کردیا گیا ہے، حضرت مولاناؒ کی کتابوں، مطبوعہ وغیر مطبوعہ مضامین کی مدد سے یہ مجموعہ تیار کیا گیا ہے۔

صفحات: 368 قیمت: -/Rs. 260 (مجلد)

☆ قرآنی افادات (دوم)

قرآنی افادات ونکات کا بہترین مرقع، خاص کر حضرت مولاناؒ کے دروس قرآن کی مدد سے یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے، اصحاب ذوق اور خطباء وواعظین کے لیے ایک بہترین سوغات۔

صفحات: 456 قیمت: -/Rs. 250 (مجلد)

بقلم: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

رابطہ: سید احمد شہیدؒ اکیڈمی

دارعرفات، میدان پور، تکیہ کلاں رائے بریلی۔ موبائل: (9919331295)

وفیات

بے باک اور امانتدار صحافی سید عبدالرافع

محمود حسن حسنی ندوی

ادھر چند مہینوں میں پے در پے جن حوادث سے ملت اسلامیہ گذری ہے، ان میں ایسی متعدد شخصیات کے فراق کا غم وصدمہ بھی ہے جو اپنی الگ الگ صلاحیتوں سے عالم اسلام کی خدمت انجام دے رہے تھے، سوڈان کے شیخ صدیق الضریر، شام کے شیخ وہبہ الزحیلی، ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی پاسبان شخصیت حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین اور پھر اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ جناب محمد عبدالرحیم قریشی، آل انڈیا ملی کونسل کے نائب صدر مولانا عبدالاحد تاراپوری، مشہور اسلامی صحافی احمد مصطفیٰ صدیقی راہی ان میں بہت ہی نمایاں شخصیات ہیں، ان کے علاوہ بھی مختلف میدانوں میں خدمت اسلام ومسلمین کے ساتھ انسانی خدمت کا کام انجام دینے والے لوگوں میں متعدد اہم ہستیاں ہیں جنہوں نے داغ مفارقت دی، انہی میں عظیم صحافی سید عبدالرافع بھی ہیں جنہوں نے ۹ربیع الاول ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۱ر دسمبر ۲۰۱۵ء کو وفات پائی اور بڑے مجمع کی موجودگی میں تدفین شاہ گنج قبرستان میں ہوئی، ان کا تعلق سورج گڑھ بہار سے اور خاندان میاں سید نذیر حسین دہلویؒ سے تھا اور دوسری طرف ان کا ننہیالی تعلق صادق پور کے عظیم مجاہد وداعی خاندان سے تھا، ان کے والد سید ابومحمد سورج گڑھ کے بڑے رئیسوں میں تھے، ان کے گھر اپریل ۱۹۴۰ء میں ننہیال صادق پور پٹنہ میں پیدا ہوئے، والد کے ساتھ ۱۹۴۸ء میں وہ کھڑک پور چلے گئے، اور ۱۹۵۵ء میں میٹرک پاس کیا، ۱۹۵۷ء میں آئی اے اور پھر ۱۹۵۹ء میں آسنسول کالج سے بی اے کیا، اور بنگال سے نکلنے والے مشہور اخبار ''آزاد ہند'' کلکتہ سے وابستہ ہوئے، اور پھر ۱۹۷۱ء میں وطن آکر پٹنہ کے اخبار ''صدائے عام'' میں خدمات انجام دیں، اور ۱۹۸۲ء میں روزنامہ ''قومی آواز'' سے جڑے ۱۹۹۱ء سے روزنامہ ''انقلاب جدید'' پٹنہ سے جڑنے کے ساتھ ساتھ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے نقیب وترجمان ہفت روزہ ''نقیب'' سے بھی وابستگی اختیار کی اور اپنے فکر انگیز اور حالات حاضرہ پر گہرے تبصروں اور ہدایتوں پر مشتمل اداریے لکھتے رہے اور یہ سلسلہ ۲۴ رسال تک جاری رہا تا آنکہ وہ بستر علالت پر پڑ گئے اور داعی اجل کو لبیک کہا، وہ آخر تک روزنامہ ''قومی تنظیم'' کا اداریہ بھی لکھتے رہے، اور جب جب کوئی افتاد ملت اسلامیہ پر پڑی انہوں نے ایک حق پرست مسلم صحافی کا پورا کردار ادا کیا، ندوۃ العلماء پر ان کا حق اس لیے بھی بنتا ہے کہ جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں ۱۹۹۶ء میں غلط اطلاعات پر سی بی آئی نے چھاپہ ڈالا تھا، اور بعد میں اس کو شرمندگی اٹھانی پڑی تھی، تو بڑی جرأت مندانہ صحافتی کردار سے جناب سید عبدالرافع نے اپنی ان خاندانی روایات کو زندہ کیا تھا جو صادق پور کے حوالہ سے جانی جاتی ہیں۔

وہ اپنی کامیاب، حق گو، جرأت مند صحافتی کردار سے بہت کچھ دنیا بھی کما سکتے تھے لیکن انہوں نے صحافت کے پیشہ کے ذریعہ اللہ کی رضا کے حصول کی کوشش کی اور ایک صاف ستھری زندگی گذاری، اور زاہدانہ انداز میں گذر بسر کی، وہ جدید و قدیم صحافت کے اچھے اور مقبول صحافی اور امانت دار رائٹر تھے، جس خبر اور جس بات کا جو وزن ہوتا اس کو اسی لحاظ واعتبار سے دوسروں تک پہونچاتے اور اس کو ایک امانت سمجھتے تھے، اور یقین رکھتے تھے کہ ان کے ذریعہ امانت پر اعتماد کیے دوسرے بیٹھے ہوئے ہیں۔

بزرگوں اور قائدین ملت میں انہیں خاص طور پر امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین مرحوم سابق جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کا اعتماد حاصل رہا، اور مختلف روزناموں اور ہفت روزہ ''نقیب'' کے ذریعہ انہیں ایک اچھی اور معیاری صحافت کا نمونہ پیش کرنے کا موقع ملا۔

راقم الحروف نے ان کا تذکرہ اور حال اپنے احباب خصوصاً ان کے عزیز مصباح احسن ندوی سے خوب سن رکھا تھا، اور ان کی تحریروں کے ذریعہ ان سے غائبانہ تعارف حاصل تھا مگر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے پٹنہ اور پھلواری شریف کے سفر اور امارت شرعیہ میں قیام سے ان سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا، جس نے ہفت روزہ ''نقیب'' جس کے وہ ایڈیٹر تھے، اس کے دفتر میں ان کے معاون مدیر مولانا رضوان احمد ندوی کے ذریعہ ایک عام انداز سے ان کا کام اور مقام دیکھنے کو بھی ملا کہ اپنی بے باک صحافت سے معروف صحافی ایسا درویشانہ مزاج کا حامل انسان ہے، ظاہری وضع قطع کے دینی خیال ولحاظ کے ساتھ باطن کو بھی بہتر سے بہتر بنانے کا خیال رکھتے تھے،

افسوس کہ اب وہ ہم میں نہیں رہے اور اپنے رب کے حضور میں اپنی نیکیوں اور ناقابل فراموش خدمات کا حقیقی اور پائیدار صلہ لینے پہونچ چکے ہیں۔

دنیا میں ان کی صحافتی خدمات کے اعتراف میں جوصلہ دینے کی کوشش کی گئی وہ ناکام کوشش رہی باوجودیکہ قلیل گزارے پر وہ زندگی بسر کررہے تھے، ایوارڈ اور انعامات کی رقمیں جب انہیں ملیں تو انہوں نے ملی کاموں میں ان کو لگانے کے لیے واپس کردیں، جیسے شبلی ایوارڈ اور اردو اکادمی کی رقمیں وغیرہ، اور ان کی غیور طبیعت نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ جب امیر شریعت مولانا سید نظام الدین علیہ الرحمہ نے ان کے علاج پر صرفہ کے لیے امارت کی طرف ذمہ داری لی تھی تو اسے بھی انہوں نے قبول کرنے معذرت کردی تھی، اور اپنے فرزند فضیل صاحب کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اس کے تئیں اپنی خدمات صحیح طور پر انجام دے رہے ہیں۔

سید عبدالرافع ایک درویش صفت صحافی تھے اور انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو دینی واسلامی کاز کو تقویت پہونچانے اور تعمیر ملت وتعمیر انسانیت کے عمل میں لگایا اور ایک بامقصد زندگی گزار کر اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوئے۔ ان کی وفات سے جو خلا ہوا، اسے اللہ تعالیٰ پورا فرمائے اور ملت اسلامیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔ ☆☆

دعائے صحت

حضرت مولانا قمر الزماں الٰہ آبادی کے فرزند اکبر مولانا مقبول احمد اور جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے مہتمم مولانا عبدالباری ندوی سخت علیل ہیں، قارئین سے ان حضرات کے لیے دعائے صحت کی خصوصی درخواست ہے۔

ہماری مطبوعات

☆عمدہ کاغذ ☆بہترین طباعت ☆خوبصورت سرورق

نمبرشمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاھلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ احسان، حسن منزل، مکارم نگر، لکھنؤ	9335982413
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ دارین، نزد شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9335858300
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: ساس اپنے داماد کے ساتھ حج کرسکتی ہے یا نہیں؟ کیا داماد کا رشتہ محرم کا ہے یا غیر محرم کا؟ محرم کی قدرے وضاحت کردیں؟

جواب: ساس داماد کے ساتھ سفر حج پر جاسکتی ہے، داماد کا رشتہ محرم کا ہے اور یہ ابدی ہے، محرم سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن کے ساتھ کبھی نکاح حلال نہ ہو، داماد سے بھی ہمیشہ نکاح حرام ہے، یہاں تک کہ اگر نکاح کے بعد بیوی سے قربت کی نوبت نہ آئی ہو اور اس سے پہلے ہی طلاق ہوجائے تب بھی ساس اور داماد ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں، قرآن مجید میں محرمات کی فہرست میں ساس کا بھی ذکر ہے: "وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ" (اور تمہاری بیویوں کی مائیں بھی حرام ہیں)۔ [سورۃ نساء: ۲۳]

سوال: جس نے خود حج نہیں کیا، اس سے حج بدل کروانا درست ہے؟

جواب: جس نے خود اپنا حج نہیں کیا ہے اس سے حج بدل کرانا علماء احناف کے نزدیک درست ہے لیکن اس میں تھوڑی تفصیل یہ ہے کہ اگر خود اس پر حج فرض ہے تو اس سے حج بدل کرانا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر فرض نہیں ہے تو مکروہ تنزیہی ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ حج بدل اس شخص سے کرایا جائے جس نے اپنا حج ادا کرلیا ہو۔

[ردالمحتار: ج۴/ص۲۰، ۲۱]

سوال: ایک شخص پر حج فرض تھا، لیکن وہ اپنی زندگی میں حج نہیں کرسکا اور نہ ہی وصیت کرسکا، اگر ان کی اولاد ان کی طرف سے حج کرے تو کیا والد کی طرف سے حج ادا ہوجائے گا؟

جواب: حج فرض ہونے کے باوجود کوئی زندگی میں حج ادا نہیں کرسکا اور نہ وصیت کی اور اولاد میت کی طرف سے حج کرے تو اللہ کی ذات سے امید یہی ہے کہ حج ادا ہوجائے گا اور عنداللہ جوابدہی سے بچ جائے گا، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے لکھا ہے:

"قال أبو حنفية يجزيه إن شاء الله"۔ [ردالمحتار: ج۴/ص۱۶]

سوال: کیا عورت مرد کی طرف سے اور مرد عورت کی طرف سے حج بدل کرسکتے ہیں؟ یا یہ ضروری ہے کہ مرد کا حج بدل مرد ہی کرے اور عورت کا حج بدل عورت ہی کرے؟

جواب: مرد عورت کی طرف سے اور عورت مرد کی طرف سے حج بدل کرسکتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت بخاری میں ہے کہ قبیلہ بنو خثعم کی ایک خاتون نے حجۃ الوداع کے موقع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے والد بہت ضعیف ہیں، کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ حدیث صراحت کے ساتھ بتاتی ہے کہ عورت بھی مرد کی طرف سے حج بدل کرسکتی ہے۔

سوال: حج بدل میں کیا حج افراد یا قران ہی ضروری ہے یا تمتع بھی کیا جاسکتا ہے، سنا ہے بعض کتابوں میں ہے کہ حج بدل میں حج تمتع نہیں کیا جاسکتا ہے، اصل حکم کیا ہے، ہندوپاک کے حجاج تو عموماً حج تمتع ہی کرتے ہیں، اس مسئلہ کی مکمل وضاحت کریں۔

جواب: بلاشبہ کتب فقہ میں یہی ہے کہ حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے گا لیکن موجودہ حالات میں جو دقتیں ہیں، ان کے پیش نظر بعض فقہاء کے قول پر برصغیر ہندوپاک کے علماء نے حج بدل میں حج تمتع کی اجازت پر فتویٰ دیا ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے بھی سیمینار میں باتفاق رائے جواز ہی پر فیصلہ کیا ہے، لہٰذا حج بدل میں حج تمتع کیا جاسکتا ہے، اگر حج بدل کرانے والا زندہ ہو تو اس سے اجازت لے لینا بہتر ہے اور قربانی انہی کی طرف سے کردی جائے۔

[البحرالرائق: ج۳/ص۱۱۶]

سوال: بعض حضرات سفر حج میں اپنے چھوٹے بچوں کو بھی لیجاتے ہیں اور ان کو احرام بھی پہناتے ہیں اور ماں باپ سارے افعال حج میں ان کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا ان بچوں کے افعال ادا ہوجائیں گے، جبکہ وہ مکلّف شرع نہیں ہوتے ہیں، کیا یہ نفل حج ہوگا یا فرض؟

جواب: بلاشبہ بچے مکلّف شرع نہیں ہوتے لیکن اگر والدین ساتھ ساتھ بچوں کے بھی افعال حج ادا کرتے ہیں تو یہ حج ہوجائے گا، اور نفلی حج ہوگا، بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ بچہ کو حج کا ثواب ملے گا اور والدین کو تعلیم وتربیت کا اجر ملے گا، غرض کہ دونوں کو اس کا فائدہ ہوگا، دوارکان وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ تو خود بچہ کی طرف سے ہوجائیں گے اور بقیہ والد بچہ کی طرف سے نیت کرکے ادا کریں گے، اگر احرام میں خلاف ورزی ہوگی تو وہ قابل معاف ہوں گے، کوئی تاوان نہیں دینا پڑے گا۔

[مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص۴۸۴]

☆☆☆☆☆

تعلیم وتربیت

دوروزہ فکری، دعوتی وتربیتی کیمپ

برائے اساتذۂ مدارس ملحقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

● ....شعبۂ ملحقہ مدارس

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق مدارس کو تعلیمی، تدریسی، فکری، دعوتی واصلاحی میدانوں میں متحرک وفعال بنانے اور مدرسین کے اندر فن تدریس وتعلیم کے جوہر کو اجاگر کرنے کے لیے ماہ فروری و مارچ ۲۰۱۶ء میں سالہائے گذشتہ کی طرح ملک بھر کے مختلف ملحقہ مدارس میں دوروزہ فکری، تربیتی ودعوتی کیمپ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، اس اہم تربیتی پروگرام میں ہرادارہ سے دو اساتذہ کی شرکت ضروری ہے۔ ہرمرکز میں مندرجہ ذیل اضلاع کے ملحقہ مدارس کے اساتذہ شریک ہوں گے۔

۱-المعہد الاسلامی، درگاہ حسین شاہ ولی، پوسٹ گولکنڈہ، شیخ پیٹ، حیدرآباد، تلنگانہ

☆۱۳،۱۴ر فروری ۲۰۱۶ء، بروز سنیچر، اتوار

برائے رابطہ موبائل نمبر:

09014749053,09533753142

srnaseem@yahoo.com

☆**اضلاع:** (مہاراشٹر) اورنگ آباد، جالنہ، ممبئی، امراوتی، بلڈانہ، پربھنی، ناسک، ایوت محل، ناندیڑ، (کرناٹک) بیجاپور، کاروار، گنگور، اوڈوپی، (آندھراپردیش) وزیانگرم، (تلنگانہ) حیدرآباد، (گجرات) پٹن، (راجستھان) ٹونک، بیکانیر، بھرت پور، اجمیر، الور، جھالاواڑ، جودھپور، (مدھیہ پردیش) بھوپال، اندور، اجین، سیہور، راجگڑھ بیاورا، ودیشہ۔

۲-دارالتعلیم والصنعت، ۱۲۹-سی جاجمئو، کانپور، یوپی

☆۲۰،۲۱ر فروری ۲۰۱۶ء، بروز سنیچر، اتوار

برائے رابطہ موبائل نمبر:

09839292187,08808882054

Ashiqilahi1989@gmail.com

☆**اضلاع:** لکھنؤ، کانپور، اناؤ، باندہ، جالون، اوریا، اٹاوہ، جھانسی، سنت کبیرنگر، ۲۴ پرگنہ۔

۳-مدرسہ ہدایت المسلمین، اڑوا ہیمراجپور، پورے سکہ، ضلع امیٹھی، یوپی

☆۲۴،۲۵ر فروری ۲۰۱۶ء، بروز بدھ، جمعرات

برائے رابطہ موبائل نمبر:

09792668124,08400019141

hmusindia@gmail.com

☆**اضلاع:** رائے بریلی، امیٹھی، بارہ بنکی، سلطانپور، سیتاپور، ہردوئی، فیض آباد، فتحپور، الہ آباد، کوشامبی، بہرائچ، گونڈہ، بلرامپور، مہراج گنج، کشی نگر، سنت رویداس نگر، اعظم گڑھ، بلیا، جونپور، امبیڈکرنگر، غازی پور، پرتاپ گڑھ، لکھیم پور کھیری۔

۴-جامعہ امام احمد سرہندیؒ، عید گاہ کالونی، سونی پت، ہریانہ

☆۲۷،۲۸ر فروری ۲۰۱۶ء، بروز سنیچر، اتوار

برائے رابطہ موبائل نمبر:

09813526951,09034571961

jamiasonipat1987@gmail.com

☆**اضلاع:** دہلی، ہریانہ، پانی پت، سونی پت، یمنانگر، (کشمیر) سری نگر، کپواڑہ، کشتواڑ، بارہ مولا (یوپی) علیگڑھ، ہاپوڑ، میرٹھ، مظفرنگر، بجنور، مرادآباد، سنبھل، سہارنپور، رامپور، بدایوں۔

۵-مدرسہ احسانیہ، سمرا، پوسٹ تھاوے، ضلع گوپال گنج، بہار

☆۱۶،۱۷ر مارچ ۲۰۱۶ء، بروز بدھ، جمعرات

برائے رابطہ موبائل نمبر:

08873881958,09708733080

islamiaehsania@gmail.com

☆**اضلاع:** (بہار) چمپارن، گوپال گنج، سیوان، سیتامڑھی، جموئی، رہتاس، بکسر، گیا، سمستی پور، دربھنگہ، (جھارکھنڈ) رانچی، لاتے ہار، بوکارو، ہزاری باغ، مالدہ، مدھوبنی، سپول، سہرسہ، پورنیہ، ارریہ، کٹیہار، (نیپال) سنسری، نول پراسی، کاٹھمنڈو، سرہا، روتہت، (آسام) ڈبروگڑھ، نوگاؤں (اڑیسہ) جاجپور۔

ہدایات برائے مندوبین

☆قیام وطعام کی ذمہ داری میزبان ادارہ کے ذمہ ہوگی، اور مصارف سفر شرکت کرنے والے اداروں کے ذمے ہوں گے۔

☆سفر کا نظام ایسا رہے کہ پروگرام کی افتتاحی نشست سے قبل پہونچیں اور اختتامی نشست کے بعد ہی واپسی ہو۔

☆کم ازکم پندرہ روز قبل اپنی آمد کی اطلاع متعلق مرکز اور شعبہ ملحقہ مدارس کو ضرور دیدیں۔

☆ادارہ کے ذمہ داران دواساتذہ کو تربیتی پروگرام میں شرکت کے لیے بھیجیں۔

برائے رابطہ شعبۂ ملحقہ مدارس، دارالعلوم ندوۃ العلماء:

08953394767,09455848799

nadwa@sancharnet.in

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

تاریخ ۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ — باسمہٖ تعالیٰ — Date 01/06/2015

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دارالعلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔''

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل و عریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی و نظامت میں اگر احباب و مخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وماذلك على الله بعزيز.

(مولانا مفتی) محمد ظہور ندوی	(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء	معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **NADWATUL ULAMA**

(عطیات) **A/C NO. 10863759711**

(زکوٰۃ) **A/C NO. 10863759766** (State Bank of India Main Branch, Lucknow.)

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.